رجسٹرڈ ایل نمبر ۲۲۹۶ ہر انگریزی ماہ کی ۷، ۱۴، ۲۱، ۲۸ تاریخ کو قادیان دارالامان سے نکلتا ہے رجسٹرڈ ایل نمبر ۲۲۹۶

فاروق

قادیان

ایڈیٹر میر قاسم علی احمدی

جلد ۱۴ | قادیان مورخہ ۲۱/۲۸ اکتوبر ۱۹۲۹ء مطابق ۱۴/۲۱ ربیع الثانی ۱۳۴۸ھ | نمبر ۲۳/۲۴

Digitized by Khilafat Library Rabwah

دارالامان کی خبریں

(۱) حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ بنصرہ انشاء اللہ ۲۸ ماہ رواں کو سرینگر سے عازم قادیان ہو کر غالباً یکم اکتوبر ۱۹۲۹ء کو دارالامان رونق افروز ہونگے۔

(۲) ۱۷ ستمبر کو ہندوؤں کی اپیل مذبح تیسری دفعہ کمشنر لاہور کے اجلاس میں اس غرض سے پیش ہوئی۔ کہ فریقین کے وکلاء کی بحث سنی جائے۔ چنانچہ تاریخ مذکور پر ہندوؤں کی طرف سے مسٹر موتی ساگر اور ڈاکٹر نارنگ ایڈووکیٹ اور مسلمانوں کی طرف سے چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب بیرسٹر ایم۔ ایل سی پیش ہوئے۔ ۱۱ بجے سے پونے دو بجے تک تقریریں ہوئیں۔ پہلی تقریر مسٹر موتی ساگر نے قریباً بیس منٹ کی۔ اس کے بعد چودھری صاحب نے قریباً ڈیڑھ گھنٹہ ایسی زبردست اور کامیاب تقریر کی۔ جس کا لوہا فریق مقابل نے بھی مانا۔ آخری جوابی تقریر ڈاکٹر نارنگ نے قریباً بیس پچیس منٹ کی اور اجلاس ختم ہوا۔ فیصلہ محفوظ رکھا گیا ہے۔ اس موقعہ پر عجیب نرجو امر مشاہدہ ہوا۔ وہ مسمی مہر و آتشباز قادیان اور مولوی عبدالخالق پسر غلام دستگیر سکنہ قادیان کا ہندوؤں کے ساتھ شامل ہو کر مذبح کے خلاف ہندوؤں کی طرف سے پیش ہوا تھا۔ جن کو پیش کیا۔ مگر بدقسمتی سے پیچھے ہٹا دیے گئے۔ بیرونی ٹکٹ میں ڈاکٹر عبداللطیف پیغامی اور مسٹری عبدالکریم مرتد بھی تھے۔ شرم! شرم!! شرم!!!

نونہالان جماعت سے خطاب

نوجوانو! تمہیں ہم مردہ یقیں کر لیں گے
اپنی ہستی سے نہ دنیا میں اگر دھوم مچاؤ

قومی ترقیات کا انحصار زیادہ تر نوجوانوں پر ہوتا ہے۔ وہی قوم کے نازک مرحلوں میں کام آتے ہیں۔ وہی قوم کی بہتری کی تدابیر سوچتے اور اسے ترقیات کے اعلیٰ منازل تک پہنچاتے ہیں۔ چنانچہ اس وقت بھی مسلم قوم کی اس خیال سے ڈھارس بندھی ہوئی ہے۔ کہ ہمارے نوجوان اٹھیں گے اور ہمیں اس نازک حالت سے بچائیں گے۔

لیکن یہاں تو خود ان کی حالت ناگفتہ بہ ہے بجائے اس کے کہ اپنے اوقات خدمت اسلام میں خرچ کرتے۔ طرح طرح کی لغویات میں گذار رہے ہیں۔ جو عیب اب کہیں نہ پائیں۔ وہ یہاں موجود۔ ان کی صحت کو دیکھو۔ ان کے آباء اجداد وہ تھے۔ جنہوں نے دنیا میں تھلکہ مچا رکھا تھا۔ اس وقت ان کی یہ حالت ہے۔ کہ برادران وطن سے جن پر یہ کبھی حاکم تھے۔ ان دال کے کھانے والوں سے ڈر رہے ہیں۔ یقیناً اگر اسلامیہ کالج اور ڈی اے وی کالج کے چند طلباء کا مقابلہ کیا جائے۔ تو ڈی۔ اے وی کالج والے طالب علم زیادہ قوی ہونگے۔ مسلمانوں کے وہ اصول جن پر کبھی انہیں ناز تھا۔ اب وہ رہے ہیں۔ ورزش کو ہی لیں۔ صبح سیر کے لئے نکلیں۔ تو دیکھیں گے۔ کہ کہیں نوجوان بچے اکھاڑا بنا رہے ہیں۔ کہیں ڈنٹر پیل رہے ہیں۔ کہیں دوڑ ہو رہی ہے۔ اور کہیں دستہ کشی۔ لیکن جدھر بھی آپ نظر اٹھا کے دیکھیں گے۔ ہندو ہی ہندو نظر آئیں گے۔ باوجود اس کے کہ مسلمانوں کے لئے فجر کی نماز سیر وغیرہ کے لئے ممد و معاون ہے۔

میں جب عبدالرحمن بن مسلم یا دیگر فرزندان توحید کی زندگی پر نظر دوڑاتا ہوں۔ تو مجھے حیرت ہوتی ہے۔ کہ ۱۴ سالہ نوجوان کس طرح جنگ پر جنگ فتح کئے چلے جاتے ہیں۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

اس زمانہ میں دیکھئے۔ ہندو کیوں بیس پچیس لاکھ سکھوں سے اس قدر ڈر رہے ہیں پچھلے دنوں مہاشہ کرشن نے کیسوں کے متعلق کچھ ہتک آمیز الفاظ استعمال کئے۔ تو کس طرح ایک بار نہیں ہزار بار معافی مانگی۔

اس کے مقابل مسلمانوں کو دیکھئے۔ کہ باوجود اس کے کہ ان کی تعداد ہند میں سات کروڑ سے زائد ہے۔ روزانہ ان کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بے حرمتی کی جاتی ہے۔ ان پر ناپاک سے ناپاک الزام لگائے جاتے ہیں۔ پھر جب مسلمانوں کی طرف سے اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی جاتی ہے۔ تو وہ ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ وجہ کیا؟ یہی کہ مسلمان صرف باتوں ہی کے لئے ہیں۔ عملاً کچھ نہیں کر سکتے۔

ہر شعبہ میں ہندو ترقی کر رہے ہیں۔ لیکن مسلم نوجوان کبوتر کی طرح آنکھ بند کئے مطمئن ہیں تعلیم کو لیجئے۔ اول تو بی۔ اے تک پہنچتے ہی بہت کم ہیں لیکن جو بی۔ اے پاس کر بھی لیتے ہیں۔ جھٹ یورپ جانے کی ٹھان لیتے ہیں۔ بظاہر مقصد تو سلیم ہی ہوتا ہے۔ لیکن ان میں سے ۵۰ فیصدی ایسے ہونگے جو ناکام واپس آ جاتے ہیں۔ اور پھر وہاں ساٹھ ساٹھ ہزار روپیہ خرچ کر آتے ہیں۔ اگر اسی روپیہ سے تجارت یا کوئی اور کام شروع کیا جاتا۔ تو کس قدر مفید ہوتا۔ لیکن آپ دیکھیں گے۔ کہ ہندو کثرت سے یورپ سے کامیاب واپس آتے اور جا بجا معزز عہدوں پر فائز ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

آج کل سوسائٹی کچھ اس حد تک بگڑ چکی ہے کہ بظاہر ناقابل اصلاح سی معلوم ہوتی ہے۔ جس مجلس میں آپ جائیں۔ وہاں وہی "حیا سوز" باتیں ہو رہی ہونگی۔ جنہیں ایک شریف آدمی سن بھی نہیں سکتا۔

میں جماعت کے نوجوانوں سے پر زور اپیل کرتا ہوں۔ کہ وہ ان حالات کو دیکھتے ہوئے بے اعتنائی نہ برتیں۔ اور ان کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوں

اس وقت سب سے زیادہ خطرہ ہمیں سوسائٹی کے تباہ کن حالت سے ہے۔ یہ باتیں نوجوانوں پر بہت کچھ اثر انداز ہوتی ہیں۔ ہمیں چاہیئے کہ پوری کوشش سے سوسائٹی کو ان نقائص سے پاک کریں۔

لوگ آج کل شریعت کو لعنت تصور کرتے ہیں۔ حالانکہ شریعت ایک رحمت ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ احکام رسول اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر عمل پیرا ہوتے ہوئے دنیا پر واضح کر دیں۔ کہ واقعی شریعت لعنت نہیں بلکہ رحمت ہے۔ جس پر گامزن ہونے پر ہمیں یہ درجات نصیب ہوئے۔ ہماری باتیں اتنی اثر انداز نہیں ہونگی جتنے ہمارے اعمال اور ہمارا نمونہ۔ مسلمانوں کی تمدنی۔ دنیوی حالت دیکھو۔ کس قدر گر چکے ہیں۔ پس تم اٹھو۔ اور انہیں خواب سے بیدار کرو۔ انہیں ترقی کے راہ پر گامزن کرو۔ قوم کی خاطر قربان ہونے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ ان کو اس ہلاکت کے گڑھے سے بچانے کا تہیہ کرو کیونکہ اسی میں خدا تعالےٰ کی رضا مضمر ہے۔ ؎

سب کی خدمت کر اسی میں خدمت محبوب ہے

میں حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی ایک تقریر سے کچھ اقتباس درج ذیل کرتا ہوں۔ جس میں حضور نوجوانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"سنو اے نوجوانو! سنو!! کیا فائدہ تمہارے عیش و آرام میں رہنے کا۔ کیا فائدہ تمہارے اچھے کپڑے پہننے کا۔ کیا فائدہ تمہارے بوٹ چمکانے کا۔ تمہاری ان چیزوں کی دنیا میں عزت ہی کیا ہے۔ جب تمہارے رسول کی عزت نہیں ...... اگر تم دنیا میں معزز بننا چاہتے ہو۔ اگر رسوائی اور ذلت کی زندگی سے نکلنا چاہتے ہو۔ اگر اپنے رسول کی عزت بچانا چاہتے ہو۔ تو شیطانی طاقتوں کو مارو۔ اور اپنے نفوس کی اصلاح کرو۔ مسلمانوں کی تمدنی۔ دنیوی حالت درست کرو۔ اور اپنی زندگی کا یہی مقصد بناؤ۔ کہ مسلمانوں کی ہر رنگ میں اصلاح کرنی ہے۔ ...... سب لوگوں اور خصوصاً نوجوانوں کو چاہیئے۔ کہ اپنی اصلاح کریں اور سادگی اختیار کریں۔ اگر ہماری نئی نسل اپنی اصلاح کرلے۔ اور دشمنوں کے حملوں سے ہوشیار ہو جائے۔ تو دشمن مایوس ہو جائے گا۔ اور اسے اپنی کامیابی کی کوئی امید نہ رہیگی۔" "الفضل"

سو نوجوانو! کمر ہمت باندھو۔ اور اپنے امام کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اٹھو۔ اٹھو اور مسلمانوں کو اس ذلت سے بچاؤ۔ اٹھو اور مسلمانوں کی تمدنی دینی اور دنیوی حالت درست کر کے یہ ثابت کر دو۔ کہ واقعی "دشمن مایوس ہو گیا۔ اور اسے اپنی کامیابی کی کوئی امید نہیں رہی"۔ ؎

کام وہ کر جس سے ہو دلبر کو تیرے تجھ پہ ناز

چیدہ خبریں

— اٹلی کی گورنمنٹ نے امان اللہ خاں کو دائمی قیام کے لئے کیسٹر ٹا بیلیس نامی محل دے دیا ہے۔ کیا کرایہ نامہ لکھا لیا ہے۔ یا بے کرایہ؟

— رنگ پور میں جو طلباء گورنر کی آمد پر ہڑتال کے مظاہرہ میں شامل ہوئے تھے۔ انہیں سکول کے اخراج اور بیدوں کی سزائیں دی گئیں۔

— دہلی میں گوکشی کس قدر بڑھ رہی ہے۔ وہ اس سے ظاہر ہے۔ کہ جولائی ۱۹۲۸ء کے ۵۷۶۴ روپیہ کے مقابلہ پر جولائی ۱۹۲۹ء میں ۱۵۴۱۸ روپیہ کی آمدنی کمیٹی کو ہوئی۔ اس لئے سال ٹون کمیٹی قادیان نے مذبح بنوایا تھا۔

— بچہ سقہ نے کابل کے سامنے جنرل غلام نبی کی افواج سے معرکہ کا جنگ کیا۔ فتح بچہ سقہ کو نصیب ہوئی۔ لیکن نقصان دونو اطراف سے بھاری ہوئی۔

— بھوساول سٹیشن پر ایک ٹرنک سے بم برآمد ہوئے دو ملزم گرفتار کر لئے گئے۔ ایک بنگالی اور دوسرا مرہٹہ معلوم ہوتا ہے۔

اس کی موت سے متاثر ہو کر ڈاکٹر گوپی چند ... اور ڈاکٹر محمد عالم نے پنجاب کونسل کی ممبری سے مستعفی ہونے کا اعلان کر دیا۔ بہت اچھا ہوا خس کم جہاں پاک +

Digitized by Khilafat Library Rabwah

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فاروق

قادیان دارالامان مورخہ ۲۱/۲۸ ستمبر ۱۹۲۹ء

ذبیحہ گائے

اور حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کا مکتوب گرامی

تمام ہندو و سکھ مسلم لیڈروں کے نام

ضرورت مکتوب

آپ کو قادیان کے مذبح کے متعلق ناگوار حالات اخبارات کے ذریعہ معلوم ہو چکے ہوں گے۔ چونکہ یہ معاملہ اب بہت اہمیت اختیار کرتا جاتا ہے۔ اور میں دیکھتا ہوں۔ کہ اس بارہ میں میری مزید خاموشی سلسلہ احمدیہ کے مفاد کے بھی خلاف ہے۔ اور ملک کے امن کی بربادی کا بھی موجب ہے۔ اس لئے پیشتر اس کے کہ میں کوئی ایسی راہ اختیار کروں۔ جو احمدیہ سلسلہ کے وقار اور عام مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کیلئے ضروری ہو۔ اور ملک سے شوریدہ سری کی روح کو دور کر کے حقیقی امن کی بنیاد رکھنے والی ہو۔ میں نے مناسب سمجھا۔ کہ میں ان سکھ۔ ہندو اور مسلمان لیڈروں اور بارسوخ افراد کو جو اس معاملہ سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ ذاتی طور پر مخاطب کر کے ان کی رائے معلوم کروں۔ تاکہ اگر کوئی ایسی راہ نکل سکے۔ جس سے بغیر ایسے ذرائع کے اختیار کرنے کے جو مختلف اقوام کے لئے تکلیف دہ ہوں۔ مسلمانوں کو ان کے حقوق بھی مل سکیں۔ اور دوسری اقوام کے لئے بھی کسی واجب تکلیف کی صورت پیدا نہ ہو۔ تو اُسے اختیار کیا جائے

قصبہ قادیان کے مختصر تاریخی حالات

مذبح کے خلاف جن جن اخبارات نے لکھا ہے۔ مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس کا اکثر حصہ راستی سے دور اور مبالغہ بلکہ خلاف بیانی سے پُر ہے۔ اصل واقعات یہ ہیں:۔

قادیان میرے آباء و اجداد کا بنایا ہُوا قصبہ ہے اور اس کا اصل نام اسلام پور تھا۔ جس کے آخر میں قاضی کا لفظ اس وجہ سے زائد کیا جاتا تھا۔ تا یہ ظاہر کیا جائے۔ کہ مغلیہ حکومت کی طرف سے ایک قاضی اس علاقہ کی نگرانی کے لئے رہتا ہے۔ لیکن مرور زمانہ سے یہ نام صرف قاضی اور پھر قاضی سے قادی اور قادی سے قادیان بن گیا۔ میرے آباء و اجداد تین سو سال تک اس پر اور اس کے علاقہ پر پہلے تو مغلیہ حکومت کی طرف سے۔ اور بعد میں طوائف الملوکی کے زمانہ میں آزادانہ طور پر حکومت کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ پُرانی روایات سر لیپل گریفن کی کتاب روساء پنجاب اس امر پر شاہد ہیں۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ صاحب کی حکومت سے پہلے ہمارے خاندان کی حکومت کے خلاف سکھ قبائل نے حملہ کیا۔ اور آہستہ آہستہ انکے مقبوضات سے جو اسی دیہات پر مشتمل تھے۔ ان کو بے دخل کرتے گئے۔ یہاں تک کہ صرف قادیان ان کے قبضہ میں رہ گیا اس سے بھی ان کو بے دخل کرنے کے لئے سکھ قبائل پاس کے قصبات میں ایک نیم دائرہ کی صورت میں آباد ہو گئے۔ اور آخر میرے دادا کے والد کے زمانہ میں میرے آباء کو قادیان چھوڑنا پڑا۔ لیکن مہاراجہ رنجیت سنگھ کے زمانہ میں قبائل کا زور ٹوٹنے پر میرے دادا صاحب پھر قادیان میں واپس آ گئے۔ اور قادیان اور اس کے ملحقہ سات دیہات پر انہیں دخل مل گیا۔ اس کے بعد انگریزی حکومت اس ملک میں آئی۔ تو برخلاف فوج کے دوسرے افسروں کے میرے دادا صاحب نے انگریزی حکومت سے خفیہ ساز باز نہ کیا۔ اور غالباً اسی وجہ سے ان کے مقبوضہ علاقہ کو گورنمنٹ نے ضبط کر لیا۔ اور لمبے مقدمات کے بعد صرف قادیان کی ملکیت اور اس کے پاس کے تین گاؤں کی ملکیت اعلیٰ ہمارے خاندان کو ملی۔ میری غرض اس تمہید سے یہ ہے۔ کہ قادیان اور اس کے آس پاس کے اکثر گاؤں اسلامی زمانہ کے آباد شدہ ہیں۔ اور مسلمانوں کے ہاتھ سے ان کی بناء پڑی ہے۔ پس ان کے ساتھ کوئی ہندو روایات وابستہ نہیں ہیں۔ وہ شروع سے اسلامی روایات کے پابند رہے ہیں۔ اور سوائے سکھوں کی حکومت کے چالیس پچاس سالہ عرصہ کے وہ کبھی بھی اسلامی حقوق کی بجا آوری سے محروم نہیں ہوئے۔ اس وقت بھی قادیان کی زرعی زمین کے مالک صرف میں اور میرے بھائی ہیں۔ اور محض تھوڑی سی زمین بعض احمدی احباب کے قبضہ میں ہے۔ جنہوں نے وہ زمین ہم ہی سے بغرض آبادی حاصل کی ہے۔ ہندو اور سکھ صرف بطور مزارعان یا غیر مالکان کے آباد ہیں۔ اور وہ بھی نہایت قلیل تعداد میں یعنی بمشکل کل آبادی کا قریباً ساتواں حصہ ؛

قادیان اور ذبیحہ گائے

باوجود ان حالات کے اول میرے دادا صاحب نے اور بعد میں میرے والد صاحب بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام نے اور ان کے بعد میں نے قادیان میں گائے کے ذبیحہ کو محض اس وجہ سے روکے رکھا۔ کہ اس وقت تک اس کی اقتصادی طور پر زیادہ ضرورت نہیں معلوم ہوتی تھی۔ اور ہم پسند نہیں کرتے تھے۔ کہ خواہ مخواہ ہماری ہمسایہ اقوام کا دل دکھایا جائے۔

قادیان کے کئی ہندو اس امر کی شہادت دے سکتے ہیں۔ کہ چند سال ہوئے۔ کہ جب بعض لوگوں نے قادیان کے ملحقہ گاؤں سے مذبح کی درخواست دی۔ تو میں نے حکام کو کہلا کر مذبح کو رُکوا دیا۔ اور ایک معزز ہندو صاحب کی تحریر بھی اس بارہ میں میرے پاس موجود ہے۔ جو بوقت ضرورت پیش کی جا سکتی ہے۔ علاوہ ازیں اس امر کا ثبوت کہ اپنے ہمسایوں کے احساسات کا میں نے پورا خیال رکھا ہے۔ یہ بھی ہے۔ کہ جس حد تک قانون گائے ذبح کرنے کو جائز قرار دیتا ہے۔ میں اس سے بھی جماعت کو برابر روکتا رہا ہوں!۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

بلکہ بعض لوگوں کو یہ معلوم ہونے پر کہ انہوں نے اس معاملہ میں فتنہ کا طریق اختیار کیا ہے۔ میں نے چھ چھ ماہ یا سال سال کے لئے قادیان سے نکال دیا۔

اقتصادی مشکلات

غرض جب تک کہ اقتصادی ضروریات انتہا کو نہیں پہنچ گئیں میں نے اپنے ہمسایوں کے احساسات کو اپنی جماعت کے مالی نقصان پر مقدم رکھا۔ اور زور سے انہیں ان کے حق کے استعمال سے باز رکھا لیکن قادیان کی آبادی بوجہ احمدیہ جماعت کا مرکز ہونے کے اس سرعت سے بڑھ رہی ہے۔ کہ بہت کم شہروں میں جو اس حیثیت کے ہوں۔ اس کی مثال ملتی ہے۔ اس بڑھتی ہوئی آبادی کا اثر طبعی طور پر قادیان اور اس کے گردونواح پر پڑتا تھا۔ اور پڑا۔ اور لوگوں میں بھی یہ مطالبہ بڑھتا گیا۔ کہ کثیر التعداد آبادی کو قلیل التعداد جماعت کے احساسات کی خاطر آپ مالی نقصان کیوں پہنچاتے ہیں۔ آبادی کی زیادتی کے ساتھ ساتھ جب میں نے دیکھا۔ کہ ملک کی عام حالت کی خرابی کی وجہ سے ان کے خوردونوش کے سامانوں کا مہیا ہونا بھی مشکل ہو رہا ہے۔ اور لوگ نہایت تنگ حال ہو رہے ہیں۔ تو لوگوں کے بار بار کے اصرار پر اور یہ دیکھ کر کہ سکھ لوگ جھٹکہ کی دکان کھولنے کی تجویزیں کر رہے ہیں۔ میں نے اجازت دے دی۔ کہ اگر کوئی شخص چاہے۔ تو ذبح کے لئے درخواست دے سکتا ہے۔ لیکن میں نے اپنا آخری فیصلہ آئندہ پر ملتوی رکھا۔

ہندوؤں کا وفد

اس کے بعد میں چند روز کے لئے لاہور گیا۔ اور اپنے برادر نسبتی عزیزم لفٹیننٹ خلیفہ تقی الدین احمد آئی۔ ایم۔ ایس کے مکان پر مقیم تھا۔ کہ رات کے گیارہ بجے قادیان کے سات ہندوؤں کا ایک وفد میرے پاس آیا۔ اور مجھ سے شکایت کی کہ قادیان میں ذبح کھلنے والا ہے۔ میں اس کا تدارک کروں۔ اس وفد کے رئیس پنڈت دولت رام ممبر میونسپل کمیٹی قادیان تھے۔ میں نے ان سے کہا۔ کہ ایک طرف لوگ اپنی مشکلات کا رونا رو رہے ہیں۔ دوسری طرف سکھوں نے جھٹکہ کا کام شروع کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ ان حالات میں میں قادیان جا کر اور فریقین کے حالات سن کر ہی فیصلہ کر سکتا ہوں۔ اور انہیں تسلی دلائی۔ کہ جس حد تک ممکن ہو گا۔ میں ایسی صورت اختیار کروں گا۔ کہ طرفین کی ضروریات اور احساسات کا لحاظ رکھا جائے۔ پس قادیان جانے پر مجھ سے ملیں۔ میں دوسرے ہی دن قادیان کو روانہ ہو گیا۔ اور وہاں پہنچنے پر ہندو صاحبان کا ایک بڑا وفد میرے پاس اس غرض کے لئے آیا۔ میں نے انہیں سمجھایا۔ کہ سکھوں نے جھٹکہ کا سوال چھیڑ کر میری پوزیشن نازک کر دی ہے۔ کیونکہ ذبیحہ گائے کا روکنا احساسات کے احترام پر مبنی ہے۔ اور مسلمانوں میں یہ شکایت پیدا ہو چکی ہے۔ کہ جب دوسرا فریق ہمارے احساسات کا خیال نہیں رکھتا۔ تو ہمیں اس کے احساسات کے لئے اس قدر بڑی قربانی پر کیوں مجبور کیا جاتا ہے۔ اس لئے پہلے مجھے سکھوں سے اور اپنی جماعت کے علاوہ دوسرے مسلمانوں سے بات کرنے کا موقعہ دیں۔ اس پر وہ لوگ چلے گئے۔

سکھوں سے گفتگو

دوسرے دن ایک آریہ صاحب ایک باہر کے گاؤں کے جھٹکے دار اور ایک سکھ ڈاکٹر کو لے کر میرے پاس آئے اور کہا۔ کہ آپ سکھوں سے بات کرنا چاہتے ہیں۔ سو یہ لوگ آگئے ہیں۔ میں نے انہیں جواب دیا۔ کہ میں نے تو یہ کہا تھا۔ کہ میں خود قادیان کے سکھوں کو بلواؤنگا۔ آپ صرف ایک قادیان کے آدمی اور ایک جھٹکے دار کو لے کر آگئے ہیں۔ مگر بہر حال میں ان کی بات سننے کو تیار ہوں۔ اُن لوگوں نے مجھ سے سوال کیا۔ کہ جب پہلے گائے کے ذبیحہ سے آپ روکتے تھے۔ تو آپ نے ذبح کی درخواست کی کیوں اجازت دے دی ہے۔ میں نے انہیں بتایا۔ کہ آپ لوگوں کا سوال بھی اس امر کو ثابت کر رہا ہے۔ کہ موجودہ درخواست کسی دشمنی یا دل کے دکھانے کی غرض سے نہیں ہے۔ کیونکہ جب میں پہلے آپ کے احساسات کا خیال رکھتا رہا ہوں۔ تو اب کیوں بلا وجہ ان کو صدمہ پہنچاؤں گا۔ ہاں اگر آپ وجہ معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ تو وہ یہ ہے۔ کہ ایک تو لوگوں کی اقتصادی حالت اور بڑھتی ہوئی مسلمان آبادی نے حالات بدل دیئے ہیں۔ اور دوسرے جھٹکہ کے سوال کے پیدا ہونے کے سبب سے میں دیانت دارانہ طور پر اس قدر زور نہیں دے سکتا۔ جس قدر کہ پہلے دے سکتا تھا۔ ہاں میں نے اُن کو یہ بھی کہا۔ کہ میرے نزدیک جھٹکہ پر مسلمانوں کا اعتراض بھی ویسا ہی فضول ہے۔ جیسے گائے کے ذبیحہ پر ہندوؤں کا۔ لیکن سمجھوتہ کراتے وقت یہ سوال نہیں ہوتا کہ مطالبہ معقول ہے یا نہیں۔ بلکہ لوگوں کے احساسات کا جو غلط ہوں یا صحیح لحاظ رکھنا پڑتا ہے۔ پس گو مجھے جھٹکہ پر کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن چونکہ اب دوسرے مسلمانوں کے احساسات کا بھی سوال آگیا ہے۔ جن کو جھٹکہ پر اعتراض ہے۔ اور پھر چونکہ میں جج نہیں۔ بلکہ ایک سمجھوتہ کرانے والے کی حیثیت رکھتا ہوں۔ میرا فرض ہے۔ کہ طرفین کے احساسات کا یکساں خیال رکھوں۔

جھٹکے دار کی دھمکی اور اس کا جواب

اس گفتگو کے دوران میں جھٹکہ دار صاحب نے مجھے دھمکی دی۔ کہ اگر گاؤ کشی کی اجازت ہوئی۔ تو آپ یاد رکھیں۔ کہ فساد ہو جائے گا۔ اور اس دھمکی کے جواب میں میری شرافت کا صرف ایک ہی تقاضا تھا کہ میں انہیں یہ کہتا۔ کہ اگر آپ فساد سے ڈرا کر اس امر کو روکنا چاہتے ہیں۔ تو میں ہرگز اسے نہیں روکوں گا۔ اور یہی میں نے ان کو جواب دیا۔

ذبح کی اجازت

چونکہ میں نے دیکھا۔ کہ سکھ صاحبان میرے لئے ایسا موقعہ مہیا کرنے پر تیار نہ تھے۔ کہ میں دوسرے فریق پر زور دیکر اگر ان کو کلی طور پر نہ روک سکوں۔ تو کم از کم ایک ایسا سمجھوتہ کرا دوں۔ جس سے فریقین کی کم سے کم دل آزاری ہو۔ اس لئے میں نے مسلمانوں کو بلوا کر ان سے مشورہ کرنا ضروری نہ سمجھا۔ اور اس امر کا منتظر رہا۔

معذرت

(ایڈیٹر)

ماہ ستمبر رواں سے فاروق کی اشاعت میں جو بے قاعدگی ہو رہی ہے۔ وہ بعض خاص اور غیر معمولی امور کے پیش آجانے سے ہے ایک تو کاتب فاروق کے بیمار ہو جانے سے دوسرے ذبح قادیان کے نا خوشگوار واقعات سرزد ہونے سے ہوئی۔ کیونکہ خاکسار ایڈیٹر فاروق کو کبھی لاہور اور کبھی گورداسپور جانا پڑا۔ اور قادیان میں تمام دن پولیس کے ساتھ رہکر ہر ایک واقعہ متعلقہ کی تحقیقات و تفتیش کرانا میرے ذمہ تھا۔ اس غیر معمولی مصروفیت سے فاروق وقت پر نہ نکل سکا۔ عنقریب ذبح کا فیصلہ ہونے والا ہے۔ کاتب بھی تندرست ہو گیا ہے۔ انشاء اللہ آئندہ وقت پر پرچہ نکلے گا۔ احباب اس معذوری کو معلوم کر کے معاف فرمادیں

(ایڈیٹر)

Digitized by Khilafat Library Rabwah

کہ ہندو صاحبان کا نمائندہ جب انہیں جا کر اطلاع دیگا۔ اور وہ مجھ سے آ کر ملیں گے۔ تو اس وقت آئندہ طریق عمل پر غور کروں گا۔ لیکن وہ لوگ پھر میرے پاس نہ آئے۔ اور میں نے سنا ہے۔ واللہ اعلم درست ہے یا نہیں۔ کہ آپس میں یہ مشورہ ہوا۔ کہ جھٹکہ کو چلنے دو۔ گائے کا سوال خود زور سے طے کرلیں گے۔ اس طرح یہ دونوں سوال چلتے رہے۔ میرے کہنے پر مسلمانوں کی طرف سے جھٹکہ پر کوئی اعتراض نہ ہوا۔ اور برسر بازار جھٹکہ کی دوکان کھل گئی۔ اور مذبح کے متعلق ایک لمبے عرصے کے غور اور ہندوؤں کے جذبات کا کافی خیال رکھنے کے بعد ڈپٹی کمشنر صاحب نے اجازت دے دی۔ اور مذبح اس طرف بنایا گیا۔ جس طرف کے مسلمان گاؤں ہیں۔ اور اس کی فروخت کے لئے ایسے محلہ میں دوکان کھلوائی گئی۔ جس کی ۹۰ فیصدی آبادی مسلمان ہے۔

امن کی راہ

میں نے دوران ملاقات میں ہندو صاحبان اور سکھ صاحبان کو بھی کہدیا تھا۔ اور اب بھی واضح کر دینا چاہتا ہوں۔ کہ میرے نزدیک ملک میں امن اسی اصل پر کاربند ہونے سے ہوگا۔ کہ ہر قوم دوسری قوم کے معاملات میں دخل دینے سے اجتناب کرے۔ مسلمانوں کو ان کی مرغوب چیزوں کے استعمال کرنے کی پوری آزادی ہو۔ اور ہندوؤں اور سکھوں کو ان کی مرغوب چیزوں کے استعمال کی۔ ہاں بغیر آزادی کو محدود کرنے کے دوسرے کے احساسات کا جس قدر خیال رکھنا ممکن ہو رکھا جائے۔ جب تک ہندو مسلمان اور سکھ اس اصل کی پابندی نہیں کریں گے کبھی امن نہیں ہوگا۔ اور کبھی نہیں ہوگا۔

ہندوؤں اور سکھوں کی قانون شکنی

اب میں پھر واقعات کی طرف آتا ہوں۔ حکام ضلع کی منظوری کے بعد مذبح قائم ہوگیا۔ اور جب کہ میں کشمیر آیا ہوا تھا۔ میرے پیچھے ہی اس میں ذبیحہ بھی شروع ہوگیا۔ اس پر جیسا کہ مجھے باقاعدہ رپورٹوں سے معلوم ہوا ہے۔ قادیان کے بعض ہندو جو شروع سے ہی مذبح کے خلاف اس پاس کے گاؤں میں سکھوں اور ہندوؤں کو اکساتے رہتے تھے۔ انہوں نے خوب لوگوں کو جوش دلایا۔ اور آخر سات اگست ۱۹۲۹ء کو سکھوں اور ہندوؤں کی ایک بڑی تعداد نے پولیس کی موجودگی میں مذبح گرا دیا۔ اور اینٹوں تک کے ٹکڑے کر دیئے۔ احمدیہ جماعت اس موقعہ پر مقابلہ سے مجتنب رہی۔ ورنہ اپنی طاقت اور قوت کے لحاظ سے اور قریب کے دیہات کی مزید مدد کے ساتھ وہ اس قابل تھی۔ کہ حملہ آوروں کو ایسا تلخ جواب دیتی کہ انہیں مدتوں تک یاد رہتا۔ مگر انہوں نے امن پسندی کو اور قانون کے احترام کو اپنے جوشوں پر مقدم کیا۔

ہندو اخبارات کا قابل شرم رویہ

لیکن افسوس ہے کہ اس امن پسندی کا جواب عام طور پر ہندو اخباروں کی طرف سے نہایت ہی قابل شرم ملا ہے۔ انہوں نے بجائے اس کے کہ اپنے ہم مذہبوں کے ناجائز رویہ پر اظہار افسوس کرتے۔ خلاف بیانی اور مغالطہ دہی سے ان کی تائید کرنی شروع کی۔ اور انہیں اور بھی اکسایا۔ اور بجائے اس کے کہ انہیں ملامت کرتے۔ ان کی اور بھی پیٹھ ٹھونکی۔

بعض حکام کا قابل اعتراض رویہ

اور اس قدر شور برپا کیا۔ کہ اس سے متاثر ہو کر گورنمنٹ کے بعض افسر بھی ڈر گئے۔ اور انہوں نے سخت قابل اعتراض رویہ اختیار کیا۔

بعض سکھ لیڈروں کا قابل تعریف رویہ

لیکن اس کے مقابلہ میں سکھوں کے بعض لیڈروں اور ان کے بعض اخبارات نے نہایت قابل تعریف رویہ اختیار کیا۔ اور فساد سے پہلے بھی سکھوں کو اس میں شمولیت سے روکا۔ اور بعد میں بھی ان لوگوں کے فعل کو جنہوں نے مذبح گرایا تھا۔ ناپسند کیا۔

ہم اپنا حق لے کر رہیں گے

اس وقت کمشنر صاحب کے سامنے اپیل پیش ہے۔ اور میں نہیں جانتا۔ کہ وہ کیا فیصلہ کریں۔ لیکن ان کا موجودہ رویہ بہت ہی قابل اعتراض ہے۔ مگر اس وقت سوال ان کے فیصلہ کا نہیں ہے کیونکہ جو ہمارا حق ہے۔ ہم اسے آج نہیں۔ تو کل لے کر رہیں گے۔ سوال یہ ہے۔ کہ اس فتنہ کا اثر ہندوستان کی دو نہیں تین قوموں پر جنہوں نے چند سال کے لئے نہیں ہمیشہ ہندوستان میں رہنا ہے۔ کیا پڑے گا؟

ایک دوسرے کے جذبات کا احترام

میں بتا چکا ہوں۔ کہ میں مدتوں تک مذبح کے خلاف رہا ہوں۔ نہ اس وجہ سے کہ میں مسلمانوں کا اس بارہ میں حق نہیں سمجھتا۔ بلکہ اس وجہ سے کہ میرے نزدیک باوجود قانونی اور عقلی حق کے جہاں تک ہو سکے۔ اپنے ہمسایہ کے جذبات کا احترام کرنا چاہیئے۔ مگر میرے نزدیک ہمسایہ کا بھی فرض ہے کہ وہ اس امر کا خیال رکھے۔ کہ قربانی کرنا صرف دوسرے پر ہی واجب نہیں۔ اس کا بھی فرض ہے۔ کہ جب کسی دوسرے کو حقیقی اور مادی نقصان پہنچ رہا ہے وہ اپنے جذبات کو قابو میں رکھے۔ اور سمجھے کہ اس کا مذہب صرف اس کے اعمال پر حکومت کرتا ہے۔ دوسرے مذاہب کے پیروؤں پر اس کو کوئی اختیار حاصل نہیں ہے۔

ذبیحہ گائے کا سوال نئی صورت میں

غرض گو میں اس وقت تک کہ اقتصادی حالت نے مجبور نہیں کر دیا۔ مذبح کے خلاف رہا ہوں۔ لیکن اب جبکہ اس طرح ظالمانہ طور پر امن عامہ کی ذرہ بھر بھی پرواہ نہ کرتے ہوئے قادیان اور اس کے نواحی علاقہ کے سکھوں اور ہندوؤں نے مذبح گرا دیا ہے۔ ذبیحہ گائے کا سوال ایک نئی صورت میں میرے سامنے آیا ہے۔ اس واقعہ نے مجھ پر روشن کر دیا ہے۔ کہ بعض لوگوں کے نزدیک جس کی لاٹھی اسی کی بھینس کا قانون ہی اصل قانون ہے۔ اور اس کے بغیر اور کسی قانون کی حرمت ان کی نگاہ میں نہیں ہے۔ اس تلخ حقیقت کو اس امر نے اور بھی نمایاں کر دیا ہے۔ کہ مہابیر دل نام کی ایک سوسائٹی

Digitized by Khilafat Library Rabwah

کی طرف سے یہ اعلان ہؤا ہے۔ کہ اگر ذبیحہ گائے کی اجازت مل گئی۔ تو اس کے ممبر دوبارہ بھی جبر اور تعدی سے اس کام کو روکنے سے باز نہیں رہیں گے۔

مسلمانوں کا مذہبی حق

میرے نزدیک موجودہ حالات نے مسلمانوں کو پہلے سے بھی زیادہ مجبور کر دیا ہے۔ کہ گائے کے ذبح کرنے کے حق کو استعمال کریں۔ اور جہاں یہ حق حاصل نہ ہو۔ وہاں اس کے حاصل کرنے کی کوشش کریں کیونکہ پہلے تو اقتصادی حالت کا ہی تقاضا تھا۔ کہ وہ گائے کے گوشت کو استعمال کریں۔ اب مذہبی اور اخلاقی حالات بھی اس کا مطالبہ کرنے لگ گئے ہیں۔ مذہبی حق اس طرح کہ اسلام میں کسی وجود کا حد سے بڑھ کر احترام شرک ہے۔ اور قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ بنی اسرائیل چونکہ فرعونیوں میں رہتے تھے۔ جن میں گائے ایک مقدس وجود سمجھا جاتا تھا۔ اس وجہ سے ہمسائیوں کے خیالات کے بداثرات سے بچانے کے لئے انہیں گائے کے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ پس جبکہ ہندو صاحبان مسلمانوں کو مجبور کرنے لگے ہیں۔ کہ وہ کسی صورت میں بھی گائے ذبح نہ کیا کریں۔ تو ہمیں ڈر ہے کہ مسلمانوں کی آئندہ نسلیں آہستہ آہستہ گائے کا ناواجب احترام کرنے لگیں گی۔ اور جس طرح انہوں نے اور کئی بدرسوم ہندوؤں کی اختیار کر لی ہیں۔ گائے کی عزت بھی مشرکانہ طور پر ان کے دل میں جاگزیں ہو جائے گی۔ اور یہ ایک خیالی خطرہ نہیں ہے۔ بلکہ سکھوں میں اس کی نظیر ملتی ہے۔ سکھ لوگ موحّد ہیں۔ اور مشرکانہ خیالات ان کے اصول مذہب کا جزو نہیں ہیں۔ لیکن باوجود اس کے چونکہ ہندوؤں سے ان کی رسوم ملتی تھیں۔ ان سے رشتہ ناطہ کا تعلق رکھنے کی خاطر انہوں نے گائے کا کھانا ترک کر دیا۔ اب گو وہ کہتے تو یہی ہیں۔ کہ گائے کی عزت ہمارے مذہب کا جزو نہیں۔ صرف اقتصادی طور پر ہم اسکے ذبح کرنے کے مخالف ہیں۔ لیکن حق یہی ہے۔ کہ ان کے دلوں میں آہستہ آہستہ اس کی عزت گھر کر چکی ہے۔ ورنہ اقتصادی طور پر گائے کی حفاظت کا خیال مسلمانوں میں زیادہ ہونا چاہیئے تھا۔ جن کے زمینداروں کی تعداد پنجاب میں سکھوں سے بہت زیادہ ہے۔

ذبیحہ گائے اقتصادی لحاظ سے مضر نہیں

پھر یہ اقتصادی سوال عقلاً بھی درست نہیں۔ یورپ کے لوگ گائے کا گوشت کثرت سے استعمال کرتے ہیں اور ان کے ملک کی گائے ہمارے ملک کی گائے سے بہت اچھی ہوتی ہے۔ اور گائے کی تعداد کو بھی بے روک گاؤکشی نے کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ اور ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔ کہ جس ملک میں جس جانور کی کھپت زیادہ ہوگی۔ اس کی پیدائش بھی زیادہ ہو جائے گی۔ کیونکہ اس کے فوائد کی کثرت کی وجہ سے اس کی قدر بڑھ جائے گی۔ اور لوگ اسے زیادہ پالنے لگیں گے۔ گائے کی حفاظت گاؤکشی کے روکنے سے ہرگز نہیں ہو سکتی۔ بلکہ اس کی نسل کشی کی طرف توجہ کرنے سے ہوگی۔ یو۔ پی۔ جس میں کثرت سے گائے ذبح ہوتی ہے۔ وہاں گائے کی تعداد یا اس کی نسل کی عمدگی میں پنجاب کی نسبت جہاں کہ بہت سی روکیں ہیں۔ کوئی کمی نہیں آئی۔

ہر مسلمان کا فرض

اخلاقی طور بھی اس جبر کی وجہ سے یہ سوال زیادہ اہم ہو گیا ہے۔ کیونکہ جبر کے ماتحت کسی امر سے رکنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ قوم میں بزدلی پیدا ہو جاتی ہے۔ پس اب جبکہ جبر اور تعدی سے کام لیا گیا ہے۔ اور آئندہ کے لئے بھی دھمکی دی گئی ہے۔ ہر مسلمان کا فرض ہوگا۔ کہ وہ قانون کے اندر رہتے ہوئے ہر ممکن طریق سے اس سرکشی والی روح کا مقابلہ کرے۔ اور اپنی آئندہ نسل کو غلامی اور بزدلی کی دو لعنتوں سے بچائے۔ اور مسلمان اگر اس فتنہ کا مقابلہ نہیں کریں گے۔ تو یقیناً آئندہ وہ شودروں کی طرح ہو کر رہیں گے۔

ہر معقول تجویز پر غور کیا جائیگا

ان حالات کو آپ کے سامنے پیش کر کے میں آپ سے چاہتا ہوں۔ کہ آپ کے نزدیک اگر کوئی ایسی راہ ہے کہ مسلمان اپنی ضروری غذا کو بھی حاصل کر سکیں۔ اور ان کی مذہبی اور اخلاقی حالت بھی درست رہے۔ اور ان کے ہمسائیوں کے جذبات بھی ناواجب طور پر زخمی نہ ہوں۔ تو آپ مجھے اس سے مطلع کریں۔ میں ہر معقول تجویز پر غور کرنے اور اس پر عمل کرنے کے لئے تیار ہوں۔

مجرموں کی رہائی

آپ پر یہ بھی واضح رہے۔ کہ مجھے ہرگز ان لوگوں سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ جنہوں نے بعض شریروں کے اکسانے سے مذبح کو گرا دیا ہے۔ میں ہرگز اس پر خوش نہیں۔ کہ ضرور ان کو سزا ہی ملے۔ اگر مسلمانوں کے جائز حقوق ان کو مل جائیں۔ اور اگر یہ وحشیانہ طریق ترک کر دیا جائے۔ اور دوسرے کے کاموں میں خواہ مخواہ دخل نہ دیا جائے۔ تو میں بڑی خوشی سے ان لوگوں کو معاف کر دوں گا۔ اور دوسری اقوام سے مل کر گورنمنٹ سے درخواست کروں گا۔ کہ آئندہ دلوں کی صفائی کے لئے ان لوگوں کو چھوڑ دیا جائے۔

احساسات کا لحاظ رکھنے والی تجاویز

اسی طرح میں ہر وہ تجویز جس سے ہندوؤں اور سکھوں کے احساسات کا ممکن سے ممکن حد تک خیال رکھ کر مذبح کو جاری کیا جا سکے۔ قبول کرنے کے لئے تیار ہوں۔ اور اس پر جہاں تک میرا اختیار اور میری طاقت ہے عمل کرانے کا ذمہ وار ہوں۔ مثلاً اگر مجھے یہ بتایا جائے۔ کہ قادیان کے نواح میں شہر سے باہر (کیونکہ حفظان صحت کا خیال ضروری ہے) فلاں جگہ مذبح بنایا جائے۔ پہلی جگہ پر نہ ہو۔ یا یہ کہ دیواریں پہلے سے زیادہ اونچی ہوں۔ یا مثلاً یہ کہ دوکانیں صرف شہر کے فلاں فلاں حصہ میں رکھی جائیں۔ یا اور ایسی ہی تجاویز جن سے ہندوؤں اور سکھوں کے احساسات کو کم سے کم صدمہ پہنچتا ہو۔ پیش کی جائیں۔ تو میں انشاء اللہ ان کی تائید کروں گا۔ اور ان کے حصول کے لئے ہندوؤں اور سکھوں کی پوری مدد کروں گا۔

(بقیہ دیکھو صفحہ ۱۴ کالم اول)

Digitized by Khilafat Library Rabwah

بہائیت کی حقیقت

از حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز

۱۶۔ اگست ۱۹۲۹ء سرینگر

سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا۔

خطبہ جمعہ کی غرض

ان امور کے متعلق ہدایت دینا ہوتی ہے۔ جو ان ایام میں۔ یا اس مقام میں جہاں خطبہ پڑھا جائے۔ توجہ کے قابل سمجھے جائیں۔ بعض باتیں بعض ایام میں زیادہ اہمیت رکھتی ہیں۔ تو بعض دوسری باتیں دوسرے ایام میں قابل توجہ ہوتی ہیں۔ اسیطرح بعض امور ایک خاص مقام میں اہمیت رکھتے ہیں۔ تو بعض اور دوسرے مقامات میں ضروری سمجھے جاتے ہیں۔ یہاں آنے پر مجھے ایک معاملہ جسکو پنجاب میں ہم کچھ بھی اہمیت نہیں دیتے معلوم ہوا۔ اور جہاں تک میں سمجھتا ہوں۔ اس کی وجہ یہاں یہ ہے کہ اس امر کی حقیقت سے لوگ یہاں واقف نہیں۔ اور وہ

بابیت یا بہائیت کا فتنہ

ہے۔ یہاں چونکہ علم کم ہے۔ باہر کے لوگوں سے میل جول کم ہوتا ہے۔ یہاں کوئی ایسی لائبریری نہیں۔ جس سے علم حاصل کرنے میں مدد مل سکے۔ اس لئے اس مذہب کی کتابوں اور اس کی باتوں سے لوگ ناواقف ہیں۔ اس سے بھی زیادہ اس معاملہ میں اس بات کو دخل ہے۔ کہ بابی یا بہائی اپنی اصل کتابوں کو چھپاتے ہیں۔ اور جہاں تک ہو سکتا ہے۔ دوسروں کو نہیں دکھاتے۔ ان کی کوشش یہ ہوتی ہے۔ کہ

چند آسان اور عام باتیں

لوگوں کے سامنے اپنے مذہب کے اصول کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ ضرورت اس بات کی ہے اور خدا تعالیٰ کیطرف سے آنے والے مذہب کا پہلا کام یہ ہے کہ اپنے

عقاید اور اصول

لوگوں کے سامنے پیش کرے۔ اور انکی اشاعت کرے۔ قرآن کریم کا نام ہی خدا تعالیٰ نے قرآن رکھا ہے۔ یعنی پڑھی جانے والی کتاب دوسری جگہ آتا ہے۔ فی رق منشور۔ یہ ایسی کتاب ہے۔ جو پھیلا دی جائے گی۔ پھر قرآن کا نام فاتحہ رکھا یعنے یہ کھلی کتاب ہے۔ جو چاہے۔ اسے دیکھے اور پڑھے۔ غرض خدا تعالیٰ کیطرف سے جو تعلیم ہو اُسے چھپایا نہیں جاتا۔ اپنے

مذہب کی تعلیم

کو بہائیوں کے چھپانے کی یہ وجہ ہے کہ تفصیلات میں جانے سے ایسے اعتراضات پڑتے ہیں۔ جن کے ان کے پاس کوئی جواب نہیں۔ اس لئے وہ زبانی تو بڑھ بڑھ کر باتیں بتائیں گے لیکن تفصیلی تعلیم نہ پیش کریں گے۔ وہ یہ تو کہینگے۔ سب کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہئیے۔ سب کو متحد ہو جانا چاہئیے۔ عورتوں کو حقوق دینے چاہئیں۔ سچ بولنا چاہئیے۔ اس قسم کی عام باتیں جب کوئی سنتا ہے۔ تو سمجھتا ہے۔ کیا اچھی تعلیم ہے۔ حالانکہ یہ ایسی باتیں ہیں۔ جو

سب مذاہب میں

پائی جاتی ہیں۔ کوئی مذہب ایسا نہ ملیگا۔ جس میں یہ کہا گیا ہو کہ جھوٹ بولنا چاہئیے۔ لوگوں سے بدسلوکی کرنی چاہئیے۔ عورتوں پر ظلم کرنا چاہئیے۔ یہ باتیں تو ایسی ہیں جنہیں سب مذاہب نے برا قرار دیا ہے۔ اگر کوئی مذہب اتنا ہی کہتا ہے۔ تو اس سے اسکی

تعلیم کی خوبی

نہیں ثابت ہو سکتی۔ خوبی اور عمدگی تفصیلات سے معلوم ہو سکتی ہے۔ جب یہ دیکھا جائے۔ کہ ان باتوں کو عمل میں لانے کا کیا طریق۔ اور کیا صورت بتائی جاتی ہے لیں اعتراضات تفصیلات پر پڑتے ہیں۔ اور یہ بہائی پیش نہیں کرتے۔ یہ تو کوئی مذہب نہ کہیگا۔ کہ فریب اور دہوکہ کرنا چاہئیے۔ مگر جب تفصیل میں جائیں۔ تو کئی باتیں اس مذہب میں ایسی پائی جائینگی۔ جو فریب اور دہوکہ ہوں گی۔ پس تفصیل کے بغیر کسی مذہب کی اصلیت اور حقیقت معلوم نہیں ہو سکتی۔ کسی بات کی حقیقت کا پتہ تفصیل سے لگتا ہے۔ زبانی خلاصہ جو سنایا جائے۔ اس سے اصلیت معلوم نہیں ہو سکتی۔

بہائیوں کے متعلق

بھی یہی کہا جا سکتا ہے۔ وہ زبانی بتائیں گے۔ عورتوں سے اچھا سلوک کرنا چاہئیے۔ لوگوں سے محبت اور پیار سے رہنا چاہئیے۔ ان کے جذبات اور احساسات کا خیال رکھنا چاہئیے اس قسم کی باتیں سننے والا کہیگا۔ کیا اچھی اور کتنی اعلےٰ تعلیم ہے لیکن جب انکی کتابیں پڑھو گے۔ تو معلوم ہوگا۔ باب سے ایک شخص نے کوئی مسئلہ پوچھا۔ تو اس نے اُسے سونٹا مارا۔ یہ بات کسی مخالف کی لکھی ہوئی نہیں۔ ان کے اپنے مرید کی لکھی ہوئی ہے۔ اور ایسے بطور تعریف اس نے پیش کیا ہے۔ کہ ایکدفعہ باب کو ایسا جلال آیا کہ انہوں نے

سونٹا دے مارا

اسی طرح وہ یوں تو نہیں کہتے۔ کہ محرمات سے نکاح جائز ہے لیکن جب اس کے متعلق ان کے تفصیلی احکام دیکھو گے تو معلوم ہوگا کہ سوائے ماں کے اور کسی کو محرمات میں سے قرار نہیں دیا گیا۔ غرض تفاصیل سے حقیقت کا علم ہو سکتا ہے۔ مگر بہائی کوشش کرتے ہیں۔ کہ کوئی ان کے مذہب کی تفصیلات سے آگاہ نہ ہو سکے۔ اور وہ ایسی کتب جن پر اس مذہب کی بنیاد ہو چھپائے رکھتے ہیں۔ دنیا کا کوئی مذہب ایسا نہیں۔ جو اپنی مذہبی کتب کو ان کی طرح چھپائے۔ عیسائی انجیل کو بڑی کثرت کے ساتھ پھیلاتے ہیں۔ ہندو ویدوں کے پڑھنے سے غیر ہندوؤں کو منع کرتے ہیں۔ مگر انہوں نے ویدوں کو چھپایا ہوا نہیں۔ اور آریہ تو کھلے طور پر انکے پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر

بہائی اپنی مذہبی کتب کو چھپاتے ہیں۔

اس وجہ سے ان کی کتابوں کا مہیا ہونا مشکل ہے۔ اور یہاں تو اور بھی مشکل ہے۔ کیونکہ علم بہت کم ہے۔ کوئی ایسی لائبریری نہیں ہمیں بھی ان لوگوں کی

کتب مہیا کرنے میں دقتیں

پیش آئی تھیں جب ۱۹۲۴ء میں قادیان میں یہ فتنہ پیدا ہوا اور ایک شخص نے جو مخفی طور پر بہائی تھا۔ اوروں کے عقاید

Digitized by Khilafat Library Rabwah

بگاڑنے چاہے۔ تو اس وقت ہم نے بہائیوں کو بڑی بڑی رقمیں پیش کیں۔ مگر انہوں نے کتابیں نہ دیں۔ آخر ہم نے ہندوستان سے باہر کے علاقوں سے تلاش کرائیں۔ اور اب انکی قریبًا

ساری کتابیں

جمع کرلی ہیں۔ ایک کتاب جسے مخفی رکھنے کی خاص کوشش کرتے ہیں۔ اور جو باب کی کتاب "بیان فارسی" ہے۔ اس میں بہائیوں کے خلاف بہت کچھ مصالحہ ہے۔ جب میں ولایت گیا۔ تو بہائیوں کی حالت دیکھنے کے لیے بھیجا بھی گیا۔ وہاں سے وہ کتاب بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے مل گئی۔

مجھے معلوم ہوا ہے۔ کہ یہاں ایک شخص کی طرف سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقابلہ میں بہاء اللہ کو پیش کیا جاتا ہے۔ اور بتایا جاتا ہے۔ کہ ان کے ماننے والے بہت ترقی کر رہے اور بڑی طاقت حاصل کر رہے ہیں۔ اور بہت تھوڑے عرصہ میں

احمدیت کے مقابلہ میں

وہ کامیاب ہو جائیں گے۔ حتیٰ کہ کہا گیا ہے۔ بہائی احمدیہ سے مباہلہ کیلئے طیار ہیں۔ اور ان کا دعوےٰ ہے۔ کہ قادیانیت بہائیت کے مقابلہ میں تباہ ہو جائے گی۔ حالانکہ احمدیت کے مقابلہ میں بہائیت کی حقیقت نہایت آسانی کے ساتھ معلوم کی جا سکتی ہے۔

ایک موٹی سی بات

ہے اور وہ یہ کہ بہائیت قریبًا ۵۰ سال سے شام میں قائم ہے۔ جہاں ان کا مرکز ہے۔ وہاں میں ہو آیا ہوں۔ بہائی عکہ کو جو شام میں واقع ہے۔ اپنا مرکز قرار دیتے ہیں۔ مگر دراصل انکا یہ مرکز نہیں یہ صرف بائیبل کی چند پیشگوئیاں اس مقام کے متعلق بتانے کے لئے مرکز قرار دیا جاتا ہے۔ دراصل ایک مقام بہجہ ہے۔ جہاں یہ رہتے ہیں۔ عکہ میں نہیں رہتے بہجہ میں ان کے گھر موجود ہیں۔ وہیں انکی رہائش ہے۔ اس کی تصدیق وہاں کی گورنمنٹ کے ذریعہ کرائی جا چکی ہے عکہ میں چند آدمی ان کے ننھیال ہیں۔ اور حیفا میں شوقی آفندی بہاء اللہ کا نواسہ رہتا ہے۔ وہاں کے متعلق انکا اپنا بیان تھا۔ کہ یہاں ۱۲ آدمی ان کے ننھیال ہیں۔ اور دوسرے لوگوں سے پوچھا گیا۔ تو انہوں نے کہا زیادہ سے زیادہ ۱۵/۱۶ ہوں گے۔ یہ ان کی

پچاس سالہ کامیابی کا نتیجہ

ہے۔ لیکن اس کے مقابلہ میں

قادیان میں

اڑہائی ہزار کے قریب ایسے لوگ ہیں۔ جو اپنے وطنوں کو چھوڑ کر وہاں آ بسے ہیں۔ اور اگر حیفا ہی کو لے لیا جائے تو وہاں ہمارا مبلغ رہتا ہے۔ جس نے ڈیڑھ سال کے عرصہ میں ۸۰ کے قریب لوگوں کو احمدیت میں داخل کیا ہے ادہر بہائیوں کی یہ حالت ہے کہ ۵۰ سال میں ۱۵/۱۶ سے زیادہ ان کی تعداد نہیں۔

لیکن

اپنی تعداد کو بڑھا کر دکھانے کے متعلق

ان کا طریق یہ ہے کہ براؤن جو نیم بہائی تھا۔ مگر بعد میں بہائیت سے بیزار ہو گیا اس نے ایک کتاب میں لکھا ہے۔ کہ خیر اللہ امریکہ میں ۵۵ لاکھ بہائی بیان کرتا ہے اور اس قسم کا اعلان تو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ شکاگو میں ۳ ہزار بہائی ہیں۔ میں نے جب مولوی محمد الدین صاحب کو وہاں مبلغ بنا کر بھیجا۔ تو انہیں لکھا وہاں سے معلوم کر کے بتائیں کہ بہائیوں کی کتنی تعداد ہے ان کا جواب آیا میں انکی تلاش میں ہوں۔ جب پتہ ملا اطلاع دوں گا۔ آخر دو تین ماہ کے بعد ان کی چٹھی آئی جس میں انہوں نے لکھا۔ بڑی تلاش اور تجسس سے ایک آدمی ملا ہے۔ اور وہ بھی متردد سا ہے۔

یورپ کے سفر میں میں نے ایک تصویر دیکھی۔ یہاں بھی جو احمدیت پر بہائیت کو ترجیح دینے والے ہیں۔ ممکن ہے ان کے پاس بھی وہ

شکاگو کے مشرق الاذکار کی تصویر

ہے۔ مشرق الاذکار یہ اپنی عبادت گاہ کو کہتے ہیں۔ یہ تصویر اتنی عالی شان ہے۔ کہ بڑی بڑی عمارتیں بھی اس کے مقابلہ میں حقیر دکھائی دیتی ہیں۔ اس تصویر سے یہ اثر ڈالا جاتا ہے کہ گویا ان کے ہم خیالوں کی شکاگو میں اتنی کثرت ہو گئی ہے کہ ایسی عالیشان عمارت جس میں باغ اور فوارے نظر آتے ہیں۔ انہوں نے بنائی ہے۔

سکاٹ لینڈ کا ایک لکھپتی

جہاز میں ملا۔ اس کا نوجوان لڑکا بھی ساتھ تھا اس نے کہا کیا ہندوستان کے بہائی دولتمند اور مالدار نہیں ہیں۔ میں نے کہا۔ وہاں تو شاذ و نادر کوئی بہائی ہوگا۔ اس نے کہا میں نے تو سنا ہے وہاں لاکھوں بہائی ہیں میں نے کہا ہمیں بتایا جاتا تھا کہ امریکہ میں لاکھوں بہائی ہیں۔ کہنے لگا امریکہ میں تو نہیں ہیں۔ بتایا جاتا ہے کہ ہندوستان میں لاکھوں ہیں اس طرح معلوم ہوا۔ بہائی دوسروں پر اپنا رعب ڈالنے کیلئے امریکہ میں تو یہ کہتے ہیں۔ کہ ہندوستان میں لاکھوں بہائی ہیں اور ہندوستان میں کہتے ہیں کہ امریکہ میں لاکھوں ہیں۔ اس نوجوان نے بتایا۔ بہائیوں نے ہمارے محلہ میں اپنی عبادت گاہ کی بنیاد رکھوا دی تھی۔ مگر ابھی تک بنی نہیں۔ کیا ہندوستان میں مالدار بہائی نہیں۔ کہ روپیہ بھیجکر اسے بنائیں میں نے کہا ہم نے تو اس عبادت گاہ کی بڑی شاندار تصویر دیکھی ہے کیا وہ بنی نہیں۔ اس نے کہا نہیں۔

غرض ان لوگوں کا یہ طریق ہے کہ بات کچھ نہیں ہوتی۔ مگر یہ اسے بڑھا کر کچھ کا کچھ دکھاتے ہیں۔

ایران میں

کبھی ہم نے ان [illegible] کے متعلق کہا جاتا ہے کہ لکھو کہا بہائی ہیں۔ مگر وہاں دو اڑہائی ہزار سے زیادہ معلوم نہیں ہوئے۔ دراصل اس فرقہ کی بنیاد قرامطیہ فرقہ کی طرح کی ہے۔ کہ یونہی باتیں اڑاتے رہتے ہیں۔ چنانچہ جب قادیان میں انکی شرارت کا پتہ لگا۔ اور میں نے ان کے متعلق کارروائی کرنی چاہی۔ تو حکیم ابو طاہر صاحب نے جو کلکتہ کے رؤسا میں سے ہیں۔ اور اچھا اثر رکھنے والے ہیں۔ اور وہاں کی جماعت احمدیہ کے امیر ہیں۔ ان سے

محفوظ الحق علمی

کے تعلقات تھے یہ وہ شخص تھا۔ جو چند سال سے ہی احمدی کہلاتا تھا۔ اس کی ایک کتاب دیکھی گئی۔ جس میں اس نے ۱۹۲۲ء سے احمدیت کے خلاف اور بہائیت کی تائید میں نوٹ لکھے ہوئے تھے۔ یہ جب احمدی ہوا اسی وقت میرے پاس چٹھی آئی تھی۔ کہ اس سے ہوشیار رہنا چاہیئے۔ لیکن میں نے سمجھا چونکہ یہ احمدی ہوا ہے کسی نے دشمنی سے اس کے متعلق لکھا ہے مگر بعد میں معلوم ہوا۔ اس کی غرض احمدی ہونا نہ تھی۔ بلکہ احمدی کہلا کر بہائیت کی تبلیغ کرنا تھی۔ حکیم ابو طاہر صاحب سے وہ بہائیت کے متعلق بھی باتیں کیا کرتا۔ اور ساتھ ہی کہتا کسی سے ان باتوں کا ذکر نہ کیا جائے۔ یہاں کے لوگ

Digitized by Khilafat Library Rabwah

ان باتوں کو سمجھ نہیں سکتے جب یقینی طور پر ثابت ہو گیا کہ محفوظ الحق بہائی ہے۔ اور میں نے اس کے متعلق اعلان کرنا چاہا۔ تو حکیم ابوطاہر صاحب کا میرے پاس پیغام آیا جو انہوں نے بہت گھبراہٹ کی حالت میں بھیجا۔ کہ اگر مسٹی کی علیحدگی کا اعلان کیا گیا۔ تو جماعت کا ایک بہت بڑا آدمی بھی فوراً علیحدہ ہو جائے گا۔ میں نے جب اس کے متعلق پوچھا۔ تو انہوں نے کہا۔ وہ حافظ روشن علی صاحب ہیں

دین کے معاملہ میں

تو کسی کی پرواہ نہیں کی جا سکتی میں نے کہا اگر حافظ صاحب بھی جانا چاہیں۔ تو جائیں۔ مگر یہ بات ہی بالکل غلط تھی۔ دراصل وہ یہ نہیں کہتے تھے۔ کہ حافظ صاحب ان کے ہمخیال ہیں۔ تا کہ دوسروں پر اثر ڈالیں۔ اور پھر انہوں نے یہاں تک کہا کہ قادیان میں کئی سو بہائی ہیں۔ اور یہ بھی کہا کہ میرا ایک قریبی رشتہ دار بھی ان کا ہمخیال ہے۔ اس طرح انہوں نے یہ بتانا چاہا۔ کہ نعوذ باللہ ان کے ذریعہ سلسلہ احمدیہ اندر سے کھوکھلا ہو چکا ہے۔ اور بہت سے لوگ ان کے خیالات کو سچا سمجھنے لگ گئے ہیں۔ حالانکہ یہ بالکل جھوٹ تھا۔

غرض ان لوگوں کی یہ عادت ہے کہ وہ اس طرح یہ اپنا اثر قائم کرنا چاہتے ہیں۔ ہو سکتا ہے۔ کوئی کہہ دے کہ ممکن ہے یہ باتیں غلط ہوں۔ اسلئے میں

تحریری ثبوت

دیتا ہوں "مقالہ سیاح" بہائیوں کی ایک کتاب ہے وہ اس طرح لکھی گئی ہے۔ کہ گویا ایک اجنبی نے لکھی ہے۔ وہ لکھتا ہے میں نے بہائیوں کے حالات دیکھے۔ فلاں واقعہ یوں ہوا۔ اور فلاں واقعہ میرا چشمدید ہے۔ بعض واقعات اسنے پرانے بھی لکھے ہیں لیکن بعض کو اپنا چشم دید بتایا ہے۔ ایک ناواقف شخص اس کتاب کو بڑا موثر سمجھتا ہے۔ کہ ایک غیر جانبدار لکھ رہا ہے یہ باتیں سچی ہی ہونگی۔ ورنہ اُسے کیا ضرورت پڑی ہے۔ کہ جھوٹی باتیں بیان کرے۔ مگر وہ کتاب خود بہاء اللہ کے بیٹے عبدالبہا کی لکھی ہوئی ہے۔ براؤن نے اسے شائع کیا۔ اور بعد میں بتا دیا کہ عبدالبہا نے لکھ کر دی تھی۔ کہ اُسے شائع کر دیا جائے جب اس شخص کی یہ حالت ہے جو بہاء اللہ کا جانشین ہوا اور جسے لوگ مسیح کہتے ہیں۔ کہ خود ایک کتاب لکھتا ہے اور ظاہر یہ کرتا ہے کہ کسی اجنبی نے لکھی۔ اور بعض واقعات جنہیں وہ اپنا چشمدید بتاتا ہے۔ ایسے ہیں۔ جو اس کی پیدائش سے بھی پہلے کے ہیں۔ تو دوسروں کی کیا حالت ہوگی اُنکی

ایک اور کتاب

ہے جس کا لکھنے والا اپنے آپ کو عیسائی یورپین اور فرانسیسی بتاتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ مجھے مسلمان اور بہائی بنانے کی کوشش کی گئی۔ مگر مجھے کسی سے کوئی تعلق نہیں۔ میں ایک غیر جانبدار کے طور پر لکھ رہا ہوں۔ مگر بعد میں اعلان کیا گیا کہ وہ کتاب فلاں بہائی نے لکھی ہے وہ ایک پارسی مانک جی کا سیکرٹری تھا۔ جو ایرانی اور بہائی تھا۔

غرض بنیاد ہی اس قوم کی محض غلط بیانی پر ہے۔ یہ لوگ ایسی ایسی باتیں کرتے ہیں۔ جنکی کوئی حقیقت نہیں ہوتی اور بعض یورپین لوگوں نے تو لکھا ہے۔ کہ

بعض کتابیں

جو بہائیت کی تردید میں مسلمانوں کی طرف سے بتائی جاتی ہیں وہ مسلمانوں نے نہیں لکھیں۔ بلکہ خود بہائیوں نے ہی لکھی ہیں۔ اس کے متعلق میں مثال سے سمجھاتا ہوں مثلاً ایک کتاب پر لکھا ہو حفظ الرحمن مسلمان نے لکھی۔ مگر اس کے اندر یوں لکھا ہو۔ کہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اسلام کی رو سے عورتوں میں روح نہیں مانی جاتی۔ اور اس کا جواب یہ دیا جائے اسمیں حرج ہی کیا ہے۔ اس طرح اسلام کی طرف سے لوگوں کو متنفر کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ کیونکہ جب پڑھنے والا دیکھتا ہے اسلام کی طرف سے جواب دینے والا ایک مسلمان اس قسم کی باتیں اسلام میں مانتا ہے تو معلوم ہوا۔ اسلام میں ضرور ایسی باتیں پائی جاتی ہیں۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ اسلام قطعاً یہ نہیں کہتا۔ کہ عورتوں میں روح نہیں۔ بلکہ اسلام مردوں اور عورتوں میں

ایک جیسی رُوح

قرار دیتا ہے۔ غرض اسلام کی طرف سے ایسے جواب دئے جاتے ہیں۔ جو بالکل جھوٹے اور غلط ہوتے ہیں۔ اور اس طرح دکھایا جاتا ہے۔ کہ اسلام بہائیت کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اس قسم کی بعض کتابیں عیسائیوں نے بھی شائع کی ہیں۔ لیکن بہائیوں نے تو حد ہی کر دی ہے یہ طریق ہے ان لوگوں کا اور اس کے تحریری ثبوت موجود ہیں اب تک یہ لوگ اسی طرح کرتے ہیں۔ ایک شخص مہر محمد کو جو قادیان میں رہتا تھا۔ اسی وجہ سے دھوکہ لگا۔ اس نے میرے سامنے تو نہیں لیکن دوسروں نے بتایا۔ کہ

مقالہ سیاح کی عبارت

پڑھ کر سنائی۔ اور کہنے لگا۔ دیکھو ایک غیر جانبدار کیا لکھتا ہے۔ حالانکہ وہ ایک بہائی کی لکھی ہوئی ہے۔ یہ ایسی بات ہے۔ جیسے میں خود ایک کتاب لکھوں۔ مگر اس کے اوپر یہ لکھ دیا جائے کہ مسٹر مارٹن نے لکھی ہے۔ اور اس میں اپنی اور اپنی جماعت کی تعریف ہو۔ اس کتاب کا پڑھنے والا یہی سمجھے گا۔ کہ ایک غیر متعلق اور غیر جانبدار تعریف کر رہا ہے لیکن دراصل وہ اپنی تعریف اپنی ہی زبانی ہوگی۔ یہ ہے ان لوگوں کی اخلاقی اور مذہبی حالت۔

باقی رہا مذہب کا مقابلہ بعض لوگ کہتے ہیں۔ بہائیوں کو بہت کامیابی حاصل ہو رہی ہے۔

کامیابی

مال و دولت کو جمع کر لینے یا بہت سے لوگوں کو اپنے ساتھ ملا لینے کا نام نہیں۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ۲۳ سال میں اتنے ماننے والے نہ ملے تھے۔ جتنے مسیلمہ کذاب کو دو ماہ میں مل گئے تھے۔ ۲۳ سال میں رسول کریم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم پر ایمان لانے والوں کا اندازہ ۸۰ سے اڑھائی سو تک کیا جاتا ہے۔ مگر مسیلمہ کے ساتھ دو تین ماہ میں ایک لاکھ کے قریب لوگ ہو گئے تھے۔ تو یہ کامیابی نہیں ہوتی

کامیابی یہ ہوتی ہے

کہ جس مقصد کو لیکر کوئی کھڑا ہو وہ پورا ہو جائے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ہم نے مسلمانوں پر یہ احسان کیا کہ انہیں مال و دولت دی۔ اب اگر کوئی کہے یہ کیا احسان ہے۔ ڈاکو اور لٹیرے بھی تو مال حاصل کر لیتے ہیں۔ ان میں فرق کیا ہے۔ یہ کہ مسلمانوں کو جو کامیابی حاصل ہوئی وہ آگے دین کے ساتھ ہوئی۔ وہ جس مقصد کیلئے کھڑے ہوئے تھے وہ انکو حاصل ہوا۔ اور ساتھ ہی اور بھی انعام حاصل ہوئے اگر مسلمانوں کو صرف مال و دولت ملتی سلطنت و حکومت حاصل ہوتی۔ مگر دین نہ حاصل ہوتا۔ تو یہ قطعاً ان کی کامیابی نہ سمجھی جاتی۔ ہاں اگر رسول کریم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم یہ فرماتے کہ میں دولت جمع کرنے یا سلطنت حاصل کرنے کے لئے کھڑا ہوا

Digitized by Khilafat Library Rabwah

ہوں۔ اور یہ ہو جاتا تو اسے کامیابی سمجھا جاتا مگر آپ نے جو کچھ کہا وہ یہ تھا۔ کہ میں خدا تعالیٰ کیطرف سے

بندوں کیلئے تعلیم

لایا ہوں۔ اسے دنیا میں پھیلاؤں گا۔ یہ تعلیم جب پھیل گئی تو معلوم ہوا۔ آپ کو کامیابی حاصل ہو گئی۔ اور آپ کامیاب ہو گئے۔

اسی اصل کو مدنظر رکھ کر ہم بہائیوں کو دیکھتے ہیں۔

بہاء اللہ کا منشاء

یہ تھا کہ شریعت کی نئی کتاب اور نئی تعلیم دنیا میں پھیلائیں اسلام کو اور قرآن کو (نعوذ باللہ) مٹا دیں۔ اور اس کی جگہ بہائیت کو قائم کر دیں۔ چنانچہ انہوں نے نئی تعلیم پیش بھی کی۔ بارہ کی بجائے انیس مہینے رکھے۔ دنوں کے نام الگ مقرر کئے۔ نمازیں تین کر دیں۔ عبادت کا طریق بدل دیا۔ آیات نئی بنالیں۔ زنا کی سزا نو مثقال سونا رکھی۔ یہ اور بات ہے کہ اس قسم کی باتیں غیر معقول ہوں۔ اگر کوئی غریب زنا کا مرتکب ہو۔ تو اس کے لئے اتنا سونا دینا مشکل ہے۔ اور اگر کوئی امیر مرتکب ہو۔ تو وہ گویا اتنا سونا دے کر اس کا بار بار ارتکاب کرتا رہے۔ اس وقت میں اس تعلیم کی خوبی یا عدم خوبی کے متعلق کچھ نہیں کہنا چاہتا۔ بلکہ یہ بتانا چاہتا ہوں۔ کہ کئی قسم کے نئے احکام پیش کئے گئے۔ یہ احکام اگر دنیا میں چل جاتے ان پر عمل کرنے والی کوئی جماعت ہوتی۔ اور دنیا میں انہیں مقبولیت حاصل ہو رہی ہوتی۔ تو سمجھا جاتا کہ بہائی کامیاب ہو رہے ہیں مگر اور تو اور بہاء اللہ کے بیٹے نے بھی کبھی ان احکام پر عمل نہ کیا۔ عبدالبہا آخری عمر تک مسلمانوں کے ساتھ مسجد میں نماز پڑھتا رہا۔ اور قرآن کا درس دیتا رہا۔ حالانکہ وہ بہاء اللہ کا جانشین تھا۔ جب اس کا جانشین بھی اسکے احکام پر عمل نہ کر سکا۔ تو کسی اور نے کیا کرنا تھا۔ یہاں تک یہ لوگ دھوکہ دیتے ہیں۔ ایک شامی جو ہمارے مدرسہ میں پڑھاتے ہیں اب تک نہیں مانتے کہ

عبدالبہا مسلمان نہ تھے

ان کے باپ سے ان کا دوستانہ تھا۔ ان کے پاس آتے جاتے تھے۔ اور ہر طرح اپنے آپ کو مسلمان اور اسلامی عقائد کا پابند ظاہر کرتے تھے۔ پس جس تعلیم کا چرچا ہی نہیں۔ خود اسکی پھیلانے والوں نے اسے مانا ہی نہیں۔ ایسے پیش کرنے والے کو کیا کامیابی حاصل ہو سکتی ہے۔ جتھا بنا لینا کوئی کامیابی نہیں۔ مگر میں تو کہتا ہوں۔ یہ بھی غلط ہے۔ کہ انکا کوئی بڑا بھاری جتھ ہے۔ باب کو دعوے کئے اسی سال سے زائد ہو گئے ہیں اس عرصہ میں انکی جو جماعت قائم ہوئی۔ اس کا مقابلہ جماعت احمدیہ کی چالیس سال میں پیدا شدہ تعداد سے کر لیا جائے باقی ان لوگوں کی قربانیاں پیش کی جاتی ہیں۔ مگر انکا پتہ مقابلہ سے لگ سکتا ہے ان میں۔

سات آدمیوں کی قربانی

بہت مشہور ہے۔ مگر بات یہ ہوئی۔ کہ ۳۸ آدمی پکڑے گئے تھے جنمیں سے ۳۱ تائب ہو کر چھوٹ گئے۔ اور صرف سات باقی رہے۔ مگر ہماری جماعت کے پانچ آدمی پکڑے گئے۔ جنمیں سے ایک نے بھی صداقت کا انکار نہ کیا۔ اور خوشی سے جان دے دی۔ ان کے نام یہ ہیں۔ عبدالرحمٰن صاحب صاحبزادہ عبداللطیف صاحب۔ نعمت اللہ خاں صاحب نور علی صاحب عبدالحکیم صاحب۔ یہ پانچوں علیحدہ علیحدہ موقعوں پر گرفتار ہوئے۔ مگر ہر ایک نے اپنے عقاید کو صاف صاف بیان کر دیا۔ انہیں عقاید کا تھوڑا بہت انکار کرنے پر بھی چھوڑ دینے کو کہا گیا۔ مگر انہوں نے قطعًا گوارا نہ کیا۔ کہ بال بھر بھی اپنے عقائد سے علیحدہ ہوں۔ انکی بجائے یہ پسند کیا۔ کہ کال کوٹھڑیوں میں انہیں بند کیا جائے۔ بھوکا پیاسا رکھا جائے بہت وزنی آہنی زنجیریں پہنائی جائیں۔ ناک میں نکیل ڈال کر بازاروں میں گھیٹا جائے۔ اور پتھر مار مار کر شہید کر دیا جائے۔ آخر۔

مرتے وقت

بھی یہی دعا انکی زبان پر تھی۔ کہ خدا تعالیٰ ان لوگوں کو ہدایت دے۔

بہائی ان لوگوں کو تو پیش کرتے ہیں۔ جو ان میں سے مارے گئے۔ مگر یہ کبھی نہیں بتاتے کہ انہوں نے کتنے

بے گناہوں کے خون

بہائے بہت سے ایسے واقعات موجود ہیں جن میں بہائیوں نے دوسروں کو قتل کیا۔ یہ لوگ اپنے آپ کو مظلوم کہتے کبھی نہیں تھکتے مگر یہ نہیں بتاتے کہ خود انہوں نے کتنے مظالم کئے۔ اس کے مقابلہ میں احمدی جماعت کا کوئی ظلم ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ حالانکہ ہماری جماعت کے لوگوں نے مخالفین سے بڑی بڑی تکلیفیں اٹھائیں کبھی کسی لڑائی میں کسی احمدی کے ہاتھ سے کسی کو چوٹ لگ گئی ہو تو یہ اور بات ہے۔ ورنہ احمدیوں نے کسی پر حملہ نہیں کیا۔ احمدیت کا چہرہ اس داغ سے بالکل صاف ہے۔ پس کسی صورت میں بھی بہائیت احمدیت پر غالب نہیں آسکتی۔ رہا۔ یہ کہ کوئی

بہائیت کی حمایت میں مباہلہ

کرنے کے لئے تیار ہے۔ اول تو اس کے بغیر ہی ثابت ہے کہ کسے خدا تعالیٰ کی تائید اور نصرت حاصل ہے۔ لیکن اگر کوئی مباہلہ کرنا چاہے۔ اور اسکی ایسی پوزیشن ہو۔ جو مذہبی لحاظ سے کچھ اثر رکھتی ہو۔ تو اس سے ایک دفعہ نہیں بلکہ ہزار دفعہ ہم مباہلہ کے لئے طیار ہیں۔ اس میں ہمارے لئے کوئی ڈر کی بات نہیں اور ہم قبل از وقت کہہ سکتے ہیں کہ جو بھی احمدیت کے مقابلہ میں کھڑا ہوگا۔ تباہ و برباد ہو جائیگا۔

کہا جاتا ہے۔ مرزا صاحبؑ کا مقابلہ بہاء اللہ سے کیا جائے مگر یہ

بالکل غلط طریق

ہے کیونکہ حضرت مرزا صاحبؑ کا دعوے نبوت کا تھا۔ لیکن بہاء اللہ نبوت کا منکر تھا۔ پھر مقابلہ کے کیا معنے۔ یہ تو ایسی ہی بات ہے جیسے کوئی کہے چنبیلی کے پتہ کا کیکر کے پتے سے مقابلہ کیا جائے یا کہے محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقابلہ ایڈیسن سے کیا جائے۔ ایسے شخص کو کہا جائیگا۔ کہ نادان ایڈیسن ایک موجد تھا۔ اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نبی تھے پھر موجد اور نبی کا مقابلہ کیونکر کیا جا سکتا ہے۔

ایک لطیفہ

مشہور ہے۔ کہ ایک شخص بادشاہ کے پاس گیا۔ اور جا کر کہا۔ کہ میں خدا تعالیٰ کیطرف سے مامور ہوں۔ مجھ پر ایمان لائیں۔ بادشاہ نے پوچھا۔ اپنی صداقت کا کوئی ثبوت دیں۔ وزیر پاس بیٹھا تھا۔ اس نے کہا میں اسے قابو کرتا ہوں۔ یہ کہکر وہ ایک خاص قسم کا تالا لے آیا۔ جو آسانی سے نہ کھل سکتا تھا۔ اور اسکے سامنے رکھ کر کہنے لگا۔ اسے کھول دو۔ تو ہم تمہیں سچا سمجھ لیں گے اسنے بادشاہ کی طرف دیکھا۔ اور کہنے لگا کہ میں اسے بے وقوف سمجھوں یا آپ کو۔ جنہوں نے ایسے شخص کو وزیر بنا رکھا ہے۔ میں نے انکی درجہ کا ہونے کا دعوا نہیں کیا۔ بلکہ مامور ہونے کا کیا ہے اور مامور کی صداقت کا پتہ تالا کھولنے سے نہیں لگایا جا سکتا

Digitized by Khilafat Library Rabwah

پس جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کا وہ دعوےٰ ہی نہیں۔ جو بہاء اللہ کا ہے۔ تو پھر ان کا

مقابلہ کس بات میں

کیا جا سکتا ہے۔ بہاء اللہ تو یہ کہتا ہے کہ اب کوئی نبی نہیں آسکتا نبوت کا خاتمہ ہو گیا ہے اور قرآن منسوخ ہو گیا ہے۔ مگر حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں۔ کہ قرآن کریم کی اتباع اور رسول کریم علیہ الصلوۃ والسلام کی تابعداری میں اب بھی نبی آسکتا ہے۔ ہاں کوئی ایسا نبی نہیں آسکتا۔ جو قرآن کو منسوخ کرے اور شریعت اسلامیہ کو بدل دے۔ پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے بہاء اللہ کا کیا مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ جو یہ کہتا ہے کہ نبوت کا بالکل خاتمہ ہو گیا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت منسوخ ہو گئی۔ اور میں نئی شریعت لایا ہوں۔ پس وہ تو چیز ہی اور ہے۔ جس کا بہاء اللہ کو دعوےٰ ہے۔ اور ہم تو

نبوت سے اوپر خدائی

کو ہی سمجھتے ہیں۔ نبوت کو بند کرنے کے بعد اس سے اوپر جو بات رہ جاتی ہے وہ خدائی کا دعوےٰ ہے۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں۔ بہاء اللہ کا دعوےٰ خدائی کا دعوےٰ نہ تھا۔ مگر یہ غلط ہے۔ ان کی

بیعت فارم

جو چھپی ہوئی ہے۔ اور ہزاروں کی تعداد میں چھپ چکی ہے اور آج تک کسی بہائی نے اس کا انکار نہیں کیا اس میں لکھا ہے "اے غصن اعظم (بہاء اللہ کے بیٹے عبدالبہاء) میں عاجزی سے اقرار کرتا ہوں۔ خدائے قادر مطلق کے ایک ہونے کا جو میرا پیدا کرنے والا ہے میں ایمان لاتا ہوں کہ وہ انسانی شکل میں ظاہر ہوا۔ اور میں یقین رکھتا ہوں کہ اس نے اپنا ایک کنبہ قائم کیا۔ اور پھر یقین رکھتا ہوں اس کے اس دنیا سے رخصت ہو جانے پر اور ایمان لاتا ہوں اس بات پر کہ اس نے اپنی بادشاہت تجھ کو دے دی ہے۔ اے غصن اعظم جو اس کا نہایت ہی سب سے پیارا بیٹا اور راز ہے"

اس کے متعلق کہا جاتا ہے جس طرح قرآن میں آیا ہے ما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ۔ اسی طرح کے وہ فقرات ہیں۔ جو بہاء اللہ نے بیان کئے یا ان کے متعلق کہے گئے مگر ان میں اور اس میں

بہت بڑا فرق

ہے۔ یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ بادشاہ کے قائم مقام جو کام کرتے ہیں وہ بادشاہ کا ہی کام ہوتا ہے۔ ان دونوں باتوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ قائمقام ہو کر کام کرنا۔ اور بات ہے اور خود بخود کسی کام کے کرنے کا دعوےٰ کرنا اور بات ہے کہا جاتا ہے۔

مجازی طور پر

بہاء اللہ نے اپنے آپ کو خدا قرار دیا ہے۔ مگر مجاز کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ ایک بے وقوف کو مجازاً گدھا کہا جا سکتا ہے۔ لیکن اگر یہ کہا جائے۔ کہ اس کی دم بھی ہے چار ٹانگیں بھی ہیں۔ تو اسے کون مجاز کہہ سکتا ہے۔ یہ تو سچ مچ کے گدھے کی علامات ہیں۔ پس مجاز کے لئے کوئی دلیل اور قرینہ ہونا چاہیئے۔ ورنہ اگر کوئی شخص دودھ لائے اور کہے کہ میری اس سے مراد ڈبل روٹی ہے۔ تو کون اس کی اس بات کو مجاز تسلیم کرے گا۔ پس جب صاف لکھا ہے کہ خدا دنیا میں انسانی شکل میں آیا۔ اس نے کنبہ قائم کیا اور وہ اپنے بیٹے عبدالبہاء کو اپنی بادشاہت دے کر چلا گیا تو اسے کون مجاز کہہ سکتا ہے۔ اسی قسم کے اور بھی بہت سے فقرے پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ لکھا ہے۔ ایک دفعہ

دو شخصوں کا جھگڑا

بہاء اللہ کے سامنے پیش ہوا۔ ایک کہتا تھا۔ بہاء اللہ خدا ہے۔ ان کے سوا کوئی خدا نہیں دوسرا کہتا تھا۔ کہ ظل اللہ ہیں۔ بہاء اللہ نے کہا تم دونوں ٹھیک کہتے ہو۔ ایک امریکن بہائی ایم۔ ایچ۔ فیلپس نے اپنی کتاب سوانح و تعلیمات عبدالبہاء (کے صفحہ ۱۳۵) میں لکھا ہے کہ مجھے عبدالبہاء اور اس کی بہن نے بتایا کہ ظل اللہ کے معنے ہیں خدائی مرتبہ پر پہنچا ہوا انسان۔ اس سے ظاہر ہے کہ بہاء اللہ اپنے آپ کو

خدا بشکل انسان

قرار دیتا تھا۔

پھر حقیقی کتابیں بہاء اللہ کی ہیں ان پر لکھا ہوتا ہے وحی کی بہاء اللہ نے کوئی انسان یہ نہیں کہہ سکتا۔ کہ میں انسانوں کی طرف وحی کرتا ہوں۔ بلکہ یہ خدا ہی کہہ سکتا ہے کیونکہ وہی وحی کرتا ہے۔ مگر ان کی کتابوں پر لکھا ہوتا ہے

وحی کی بہاء اللہ نے

میرے پاس یہاں انہی ایک کتاب کا انگریزی ترجمہ موجود ہے جو دیکھنا چاہے۔ دیکھ سکتا ہے۔ اس پر یہی لکھا ہے۔ یہ بہائیوں نے ہی شائع کی ہے۔ اصل کتابیں مرکز میں موجود ہیں کہا جاتا ہے بہاء اللہ تو خود

خدا سے دعائیں مانگتا ہے

پھر وہ خدائی کا دعوےٰ کیونکر کر سکتا تھا۔ مگر یہ دھوکا ہے عیسائی یسوع مسیح کو خدا مانتے ہیں یا نہیں۔ پھر ان کی کتابوں میں لکھا ہے کہ نہیں۔ کہ یسوع مسیح خدا سے دعائیں مانگتے تھے۔ بات یہ ہے کہ وہ اپنے عقیدہ کے لحاظ سے جس قسم کا خدا سمجھتے ہیں۔ ویسا بہاء اللہ کو مانتے ہیں ہمارے عقیدہ کے لحاظ سے خدا تعالیٰ کی جو صفات ہیں ویسا نہیں مانتے ہم تو یہ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ مجسم ہو کر دنیا میں نہیں آسکتا۔ کھانا۔ پینا۔ سونا۔ بیمار ہونا تکلیف اٹھانا

خدا تعالیٰ کی شان کے خلاف

ہے۔ مگر وہ کہتے ہیں خدا انسان کی شکل اختیار کر کے دنیا میں آسکتا ہے۔ وہ کھا بھی سکتا ہے۔ قید ہو سکتا ہے۔ تکالیف اٹھا سکتا ہے ان کے نزدیک یہ باتیں خدا کی شان کے خلاف نہیں۔ کیونکہ وہ کہتے ہیں۔ یہ جمالی حالت ہوتی ہے۔ جو الوہیت کے منافی نہیں ہے۔ غرض ان کے نزدیک خدا مجسم ہو کر دنیا میں آسکتا ہے۔ اور جب مجسم ہو سکتا ہے تو کھا بھی سکتا ہے۔ تکالیف بھی اٹھا سکتا ہے پس ان کے اس عقیدہ کے لحاظ سے بہاء اللہ کے دعوےٰ کو پرکھا جائے گا ان کا

عیسائیوں جیسا عقیدہ

ہے کہ کھانے پینے۔ سونے جاگنے اور دکھ اٹھانے والا خدا مانتے ہیں۔ وہ ان باتوں کے باوجود خدا سمجھتے ہیں چنانچہ

بہاء اللہ کی قبر پر سجدہ

کرتے ہیں۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ مسلمانوں میں سے بھی بعض لوگ قبروں پر سجدہ کرتے ہیں۔ کیونکہ قبروں پر سجدہ کرنے والے لوگ جو اسلام سے ناواقف اور جاہل ہیں یہ کوئی نہیں بتا سکتا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر پر حضرت ابوبکرؓ یا حضرت عمرؓ یا اور صحابہ نے کبھی سجدہ کیا۔ مگر بہاء اللہ کی قبر پر عبدالبہاء سجدہ کرتے تھے چڑھاوے چڑھاتے تھے اور اب بھی البہائی کرتے ہیں چنانچہ عبدالبہاء

Digitized by Khilafat Library Rabwah

کی کتابوں میں یہ باتیں موجود ہیں۔ یہ باتیں اگر بہت عرصہ کے بعد ان میں پائی جاتیں۔ تو کہا جا سکتا کہ لوگوں نے غلطی سے اختیار کر لیں۔ مگر خود تو بہار اللہ کے مرنے کے معًا بعد ان کے مرتکب ہونے لگ گئے۔ اور کسی نے اس سے نہ روکا۔

غرض بہت سے واقعات سے ثابت ہے کہ یہ لوگ عیسائیت کے رنگ کا بہار اللہ کو خدا مانتے ہیں۔ مگر لوگوں کو

دہوکہ دینے کے لئے

کہتے ہیں کہ ایسا نہیں مانتے۔ جیسا مسلمان مانتے ہیں ایسا خدا وہ بہار اللہ کو مان ہی کسطرح سکتے ہیں۔ ما قدروا اللہ حق قدرہٗ کے مصداق بن کر خدا تعالیٰ کی اصل شان نہیں سمجھتے۔ اسی لئے انہیں بہار اللہ کو خدا بنانے کا دہوکہ لگا ہے۔ ورنہ اگر وہ خدا تعالیٰ کی صحیح شان سمجھ سکتے۔ تو کبھی بہار اللہ کو خدا تسلیم نہ کرتے۔ چونکہ یہ لوگ اسلام کی بنائی ہوئی تعریف کے خلاف خدا تجویز کرتے ہیں۔ اسلئے اس کی بیوی بچے بھی قرار دیتے ہیں۔ اس کے لئے کھانا پینا بھی ضروری سمجھتے ہیں۔ اور اسمیں کوئی حرج نہیں خیال کرتے۔ پس یہ دہوکہ ہے جو بہائیوں کی طرف سے دیا جاتا ہے کہ بہار اللہ خدائی کا دعویدار نہیں تھا۔ بے شک اسلام نے جو خدا پیش کیا ہے۔ اس جیسا خدا ہونے کا بہار اللہ نے دعوےٰ نہیں کیا۔ مگر

عیسائیت والا خدا ہونے کا دعوےٰ

ضرور کیا ہے۔ جو باتیں بہائی بہار اللہ کے خدائی کا دعویدار نہ ہونے کے متعلق پیش کرتے ہیں۔ وہی یسوع مسیح کے متعلق دکھائی جا سکتی ہیں۔ وہی ان ہندوؤں میں دکھائی جا سکتی ہیں۔ جو حضرت کرشن کو خدا قرار دیتے ہیں۔ مگر باوجود اسکے عیسائی حضرت مسیح کو اور ہندو حضرت کرشن کو خدا قرار دیتے ہیں ؎

غرض یہ محض ان لوگوں کا دہوکہ ہے۔ جو ناواقف لوگوں کو دیتے ہیں۔ ان کی کتابیں ہمارے پاس موجود ہیں۔ ان سے یہ باتیں ثابت کی جا سکتی ہیں۔ باقی اپنی کامیابی اور تعداد کے متعلق جو کچھ کہتے ہیں۔ اس میں

ننانوے فیصدی جھوٹ

ہوتا ہے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ اگر کسی ملک میں دس لاکھ بہائی بتائے جائیں۔ تو وہاں دس اشخاص سے ہوں گے۔ امریکہ میں کہتے ہیں۔ کہ ۵۵ لاکھ بہائی ہیں۔ اور اب تو ان کے اندازہ کے لحاظ سے ڈیڑھ کروڑ ہو گئے ہوں گے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ۱۵ ہزار بھی نہیں مل سکتے۔ صرف اخباروں کے خریدار ہو جانے کے یہ معنے نہیں۔ کہ وہ لوگ بہائی بھی ہوتے ہیں۔ ہمارے اخباروں کے بھی کئی ہندو۔ سکھ اور غیر احمدی خریدار ہیں۔ پھر انکے ہاں چندہ مقرر ہے۔ گو اتنا نہیں۔ جتنا ہماری جماعت کا ہے۔ اور باوجودیکہ بہار اللہ نے سب مال بیٹوں کے لئے رکھا ہے۔ مگر ان کی حالت دیکھی ہے۔ بہت کمزور ہے ان کا ایک بھی مدرسہ نہیں۔ ان کے اپنے بچے سرکاری مدرسہ میں پڑھنے کے لئے جا رہے تھے۔

چونکہ لوگ ان کے حالات سے واقفیت نہیں رکھتے اس لئے وہ باتیں بناتے رہتے ہیں۔ حالانکہ اس قسم کی باتیں بالکل دیانتداری کے خلاف ہیں۔ ان کی بہت ساری کتابیں ہمارے پاس ہیں۔ اور

کتاب اقدس کا خلاصہ

تو یہاں بھی میرے پاس ہے۔ جس کا اصل سے مقابلہ کر لیا گیا ہے پس

احمدیت اور بہائیت

کا کوئی مقابلہ ہی نہیں۔ ہم ان کو یہاں بھی شکست دے سکتے ہیں۔ اور وہاں ان کے ملک میں بھی۔ اور خدا تعالیٰ نے چاہا تو تھوڑے دنوں میں ایران میں بھی انکو شکست ہو گی۔ جو ان کا مولد ہے۔ تفصیلات میں پڑنے کا یہ موقعہ نہیں۔ اسلئے جو کچھ انکی کتابوں میں درج ہے اس میں سے اس وقت بہت کم بتایا جا سکا ہے۔ مفصل اصل کتابوں میں دیکھا جا سکتا ہے۔ بہار اللہ نے اپنی کتاب اقتدار صفحہ ۱۳۰ میں لکھا ہے۔ و نفسی عندی علم ما کان و ما یکون مجھے اپنی ذات کی قسم ہے کہ مجھے

گذشتہ اور آئندہ سب کا علم

ہے لیکن ایک دوسری جگہ خود ہی لکھتے ہیں کہ فلاں شخص نے ہمارے خلاف کتاب لکھی ہے۔ لیکن وہ کتاب چونکہ ملی نہیں اس لئے ہم اسکا جواب نہیں دے سکے۔ حالانکہ جب انہیں آئندہ کا بھی علم تھا۔ تو چاہیئے تھا کتاب لکھی جانے سے بھی پہلے اس کے متعلق انہیں پورا پورا علم ہو جاتا۔ کجا یہ کہ کتاب کے شائع ہو جانے پر بھی نہ ہوا۔ باقی ان کے

اخلاق کی حالت

یہ ہے کہ خود بہار اللہ اور ان کا خلیفہ جو عبد البہا بتایا جاتا ہے۔ وہ صبح ازل کو سخت گالیاں دیتے رہے ہیں۔ اور اس کا نام ہی شیطان رکھ دیا تھا۔ حالانکہ صبح ازل وہ ہے کہ جسے باب نے اپنا خلیفہ بنایا تھا۔ بہار اللہ صبح ازل کے سیکرٹری تھے۔ وہ صبح ازل کا نام نہیں لیتے۔ بلکہ شیطان کہتے ہیں۔ یہ اگر گالی نہیں تو نہ معلوم اگر گالیوں پر اتر آتے تو کیا کرتے۔ ہمارے بہت بڑے دشمنوں میں سے ایک مولوی ثناء اللہ صاحب ہیں۔ مگر ہم عام طور پر انہیں مولوی ثناء اللہ صاحب ہی کہتے ہیں۔ لیکن وہ صبح ازل کو جو باب کا خلیفہ اور خود ان کا مقرر کیا ہوا تھا۔ شیطان کے نام سے پکارتے ہیں۔ اور کہتے ہیں انہیں اسلئے خلیفہ مقرر کیا گیا تھا۔ تاکہ دشمنوں کو دہوکہ لگے۔ اور وہ بہار اللہ کو نہ پکڑ سکیں۔ ورنہ باب کے اصل قائم مقام بہار اللہ ہی تھے خواہ کچھ ہو۔ بہرحال صبح ازل باب کا قائم مقام تھا۔ مگر اس کا نام شیطان لعین کے سوا نہیں لیا جاتا۔ غرض ان کے متعلق اس قسم کی باتیں تحقیق سے معلوم ہو سکتی ہیں۔ یہاں بھی ہمارے پاس ان کا کچھ لٹریچر ہے۔ مومن کا کام ہے کہ کوئی فیصلہ کرنے سے قبل تحقیق کرے۔ اور بغیر نتیجہ پر پہنچے سنی سنائی باتوں پر یقین کر لینا دیانت داری کے خلاف ہے۔ باقی رہا مباہلہ۔ سو اگر کسی میں جرأت ہے تو اتنا ہی شائع کر دے کہ مرزا صاحبؑ کی فلاں فلاں پیشگوئیاں جھوٹی نکلی ہیں۔

اگر میں یہ جھوٹ کہوں تو مجھ پر خدا کی لعنت ہو۔ اتنا ہی کافی ہے۔ اسی سے فیصلہ ہو جائیگا۔

ہمارے نزدیک تو سب ہی اللہ کے بندے ہیں۔ اس لئے ہم یہی دعا کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ سب کو ہدایت دے اور ان لوگوں کو بھی ہدایت دے۔ جو اس دیدہ دلیری سے اعتراض کرتے ہیں۔ کہ وہ مغضوب بنا دیتی اور تباہ کر دیتی ہے ؎

Digitized by Khilafat Library Rabwah

ہندوستان کی متحدہ قومیت خطرہ میں

ہندوستان کی آزادی اور متحدہ قومیت کے قیام کیلئے جو کوششیں سیاسی لیڈر کر رہے ہیں۔ اس کی تہ میں خلوص اور مادر وطن کی حقیقی خدمت کا جذبہ کس قدر ہے اس پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ ایک مسلّم بات ہے۔ کہ ہندوستان کے طول و عرض میں آزادی ہند کی ایک آواز گونج رہی ہے لیکن ان سیاسی لیڈروں کی آئے دن کی باہمی چپقلش اور ہندو مسلمانوں کی باہم آویزش ایک ایسی روک ہے جو اس کو صدائے بازگشت بھی بننے سے روک دیگی۔

مجکو ایک سے زیادہ مرتبہ یونیٹی کانفرنس میں شریک ہونیکا موقع ملا ہے میں نے پنڈت مالویہ۔ ڈاکٹر مونجے اور بعض دوسرے ہندو لیڈروں سے ذاتی حیثیت سے تبادلہ خیالات بھی کیا ہے۔ اور میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ

ہندوستان کی متحدہ قومیت خطرہ میں ہے

کوئی دانشمند محب وطن یہ نہیں کہہ سکتا کہ متحدہ قومیت کی روح دوسروں کی جائز آزادی کو سلب کرنے سے پیدا ہوسکتی ہے۔ انگریزی راج میں ہر شخص کو مذہبی آزادی حاصل ہے۔ وہ تقریر و تحریر کی آزادی سے بھی بہرہ اندوز ہے۔ باوجود اس آزادی کے ہم انگریزوں سے مطالبہ کرتے ہیں کہ

ہندوستان ہندوستانیوں کیلئے ہے

کے اصول پر عمل کرتے ہوئے ہمیں آزادی دیں۔ اور اپنا بوریا بستر اُٹھا کر سمندر پار چلے جائیں۔ لیکن اس آزادی کا مطالبہ کرتے ہوئے ہم مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ "تمہیں اس ملک میں اگر رہنا ہے۔ تو گائے کا گوشت کھانے کی تمہیں اجازت نہیں"۔ اس بیہودگی اور شوریدہ سری کے ساتھ مسلمانوں سے کہا جاتا ہے کہ وہ کانگرس میں شریک ہوں کیا مسلمان ایسے بے غیرت ہوں گے۔ کہ وہ اپنی خورد و نوش کی جائز اور حلال اشیاء پر پابندیاں عاید کرا کر ہندوستان کی آزادی کے مطالبہ میں ہندوؤں کے ساتھ شریک ہونگے

ہندوستان آزاد ہونا چاہیئے یہ ہر ہندوستانی کا نصب العین ہے۔ لیکن دوسروں کے مذہب دوسروں کے تمدنی معاملات اور معاشرتی امور میں اکثریت کو دخل دینے کا حق حاصل ہو۔ تو ہر شخص کا یہ فرض ہونا چاہیئے کہ وہ اس آزادی کے مطالبہ پر اسیری کو ترجیح دے اگر ہندو مسلمانوں سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ ذبح گاؤ پر پابندیاں عاید کی جاویں محض اسلئے کہ ہندو اسکے گوہ اور موت کو پوتر سمجھ کر پاک ہونے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ تو کیا مسلمانوں کا یہ حق نہیں۔ کہ وہ اسکے گوشت کو کھا کر شرک کی قوتوں کو پاش پاش کرتے ہیں۔ جب تک ہندو اور مسلمان ایک دوسرے کے ساتھ ایسا برتاؤ کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہوجاتے اور اس کا عملی ثبوت وہ اسی وقت نہیں دیتے کہ کوئی دوسرے کے تمدنی۔ مذہبی۔ اور معاشرتی ضروریات میں مخل نہ ہوگا۔ اور ایک ہی دسترخوان یا میز پر بیٹھ کر جو جسکو پسند آئے کھانے میں اپنی عملی آزاد خیالی کا ثبوت نہ دیگا۔ مسلمانوں کو ہرگز ہرگز کسی میثاق ملّی کو قبول نہیں کرنا چاہیئے۔

قادیان کے مذبح پر جو حملہ کیا گیا ہے اس نے قادیان کے مذبح کی نہیں۔ متحدہ قومیت کی اینٹ سے اینٹ بجا دی ہے۔ اور کانگرسی ہندوؤں اور اسکے نمایندوں کا اس بوچڑخانہ کے گرانے والوں سے تعاون کرنا اور خلاف قانون حرکات کرنے والے گروہ کی پیٹھ ٹھونکنا

کانگرس کے خلاف عدم اعتماد کا عملی ثبوت ہے

پنجگرائیں کے مقام پر بابا گوردا س نے (جو کانگرس کا رکن ہے) جو ریزولیوشن پاس کئے ہیں۔ وہ

کانگرس کی کھلی کھلی شکست ہے

اسے دیکھ کر کوئی مسلمان کانگرس کے طرز عمل پر اعتماد نہیں کرسکتا۔ ڈاکٹر کچلو اگر متحدہ قومیت کا علمبردار بننا چاہتا ہے۔ تو اسے پروٹسٹ کے طور پر کانگرس کی استقبالی کمیٹی کی صدارت سے استعفادے دینا چاہیئے۔ قادیان کی برائے نام کانگرس کمیٹی کا سیکرٹری اس شور و شر میں حصّہ دار ہے۔ ایسی صورت میں کانگرس ملک میں متحدہ قومیت کا اگر دعوےٰ کرتی ہے تو یہ

ایک لاف زنی سے بڑھ کر نہیں

صوبہ کی کانگرس کمیٹی کے سیکرٹری ڈاکٹر پربھو رام صاحب شرما (جو میرے ہم کلاس ہیں۔ اور میرے دل میں باوجود ان کے ساتھ سیاسی اختلافات کے ان کی عزت ہے) کو میں توجہ دلاتا ہوں۔ کہ جب تک کانگرس بڑے زور سے یہ اعلان نہیں کرتی۔ کہ مسلمانوں کے ذبح گاؤ پر کسی قسم کی پابندی عاید کرنا صریح ظلم ہے۔ اس کا قطعاً حق نہیں کہ مسلمانوں کو کانگرس میں شریک ہونے کی دعوت دے اس وقت تک جو مسلمان شریک ہو چکے ہیں۔ انہیں اس میدان سے ہٹ جانا چاہیئے۔ تاکہ وہ اس سلب آزادی کے عملی طریق کے خلاف پروٹسٹ کرسکیں۔

اگر ہندوستان میں متحدہ قومیت قائم کرنا چاہتے ہو۔ اور ہندوستان کی آزادی کے لئے اس کی بہت بڑی ضرورت ہے۔ تو سب سے پہلے دستور اساسی میں یہ ظاہر کرنا چاہیئے کہ ہندوستان کے کسی باشندے کے مذہب۔ زبان اور تمدن و معاشرت میں کسی قسم اور سوسائٹی کو خواہ وہ اکثریت ہی کیوں نہ رکھتی ہو۔ یہ حق نہیں ہوگا۔ کہ کسی قسم کی مداخلت کرے۔ اور کبھی کوئی قانون اس قسم کی مداخلت پر مشتمل جاری نہیں کیا جائیگا۔ ہندو اپنی مذہبی روایات کے مطابق اپنی عبادتوں۔ اپنی غذاؤں اور لباسوں اور مراسم میں آزاد ہوں گے۔ اور مسلمان اور دیگر اور دوسرے لوگ اپنے رنگ میں آزاد رہیں گے۔

ذبح گاؤ۔ جھٹکہ اور خنزیر کھانے والی قوموں کیلئے خنزیر کے گوشت کے متعلق کسی قسم کی پابندیاں عاید نہیں کی جائینگی۔ جب تک اس قسم کی صورت اور اعلان نہیں ہوگا۔

متحدہ قومیت خطرہ میں رہے گی

اور مسلمانوں کو چاہیئے کہ جب تک یہ اعلان نہ ہولے وہ کسی تحریک میں شریک نہ ہوں۔ اس صورت میں وہ اپنی آزادی کیلئے باہم ملکر کام کریں۔ دوسروں میں ملکر اپنی آواز اور اپنی طاقت بلکہ میں کہتا ہوں اپنی ہستی کو مٹا نہ ڈالیں۔ کوئی قوم زندہ نہیں رہ سکتی۔ جب تک کہ وہ اپنے شعائر مذہبی اور قومی کو زندہ نہ رکھے۔ جب وہ دوسری قوموں

Digitized by Khilafat Library Rabwah

کی رواداری اور رعایت کے خیال سے اپنی خصوصیات کو کھو دیتی ہے تو یاد رکھو وہی وقت اس کی موت کا ہوتا ہے۔ احمدیوں پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ وہ اپنی اس یا اُس خصوصیت کو کیوں رکھتے ہیں۔ میں نے ہمیشہ یہ جواب دیا ہے کہ

احمدیت کی زندگی کا راز اسی میں پنہاں ہے

اگر احمدی اپنی خصائص کو خدانخواستہ ترک کر دیں گے تو زندگی سے دور جا پڑیں گے۔ پس اسی طرح مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اپنی قومی خصوصیتوں کو قربان نہ کریں کہ یہ متحدہ اسلامی قومیت کے زوال اور موت کا پیش خیمہ ہوگا۔ اسلئے یہ ضروری ہے کہ قبل اسکے کہ ہندوؤں کے ساتھ متحدہ قومیت کے معاہدہ پر کوئی دستخط ہوں یا کانگریس میں شریک ہونے کے لئے قدم اٹھاؤ تو ان امور کا فیصلہ کر دو۔ جب تک ذبح گاؤ پر پابندیاں ہیں یا اذان کیلئے مسلمانوں کو سکھوں کے دیہات میں روکا جاتا ہے یا دوسرے معاشرتی اور تمدنی امور پر پابندیاں عاید کی جاتی ہیں۔ اس وقت تک متحدہ قومیت ایک کھیل اور مذاق سمجھا جائیگا۔ اور جب اس حکومت کے عہد میں جو مذہبی آزادی میں مداخلت نہیں کرتی۔ یہ لوگ خلاف قانون مداخلت سے باز نہیں آتے تو کل کو اپنی اکثریت کے برتے پر کیا کچھ تکالیف نہ دیں گے۔ ہندو اور سکھ لیڈر جو متحدہ قومیت کی دعوت دے رہے ہیں۔ وہ مسلمانوں کے ان مطالبات کا عملی جواب دیں۔ (عرفانی)

مسٹر داس کی موت

مسٹر داس جو مقدمہ سازش لاہور میں ملزم تھے۔ بورسٹل جیل میں ۱۳ ستمبر ۱۹۲۹ء کو بھوک ہڑتال کے ۶۳ دن پورے کر کے فوت ہو گئے۔ داس کی جوانا مرگی پر اظہار رنج نہ کرنا سخت دلی ہوگی۔ اپنے عقیدہ اور خیال کے لحاظ سے یہ نوجوان اپنے ملک اور وطن کی خدمت میں فوت ہوا ہے۔ اس میں کچھ شبہ نہیں کہ داس کی موت ہندوستان کی سیاسی زندگی میں ایک جوش پیدا کئے بغیر نہ رہیگی۔ اور ایسی موت پر ہزاروں زندگیاں قربان کر دینا آسان سمجھا جائیگا۔ داس کے بھائی کو اپنے بھائی کی وفات پر جائز فخر ہے۔ کہ داس نے ایک اصول کی خاطر جان دی۔

داس کے استقلال اور اسکی اصول پروری کی جس قدر تعریف کی جائے کم ہے لیکن میں اسلامی نقطہ خیال سے اس قسم کی موت کی جو خودکشی کی مترادف ہو حوصلہ افزائی نہیں کرنا چاہتا۔ گورنمنٹ نے اپنے نقطہ خیال سے اپنے اصول کی تائید کی ہے۔ اگر استقلال اور ثبات قدم اور اپنے اصول کیلئے جان دینا باعث فخر ہے قطع نظر اس کے کہ وہ اصول درست ہے یا غلط۔ تو گورنمنٹ کو مطعون کرنے کا کسی کو حق نہیں۔ وہ کہہ سکتی ہے کہ میں نے اپنے اصول اور قانون کیلئے داس کے مطالبہ کو صحیح نہیں سمجھا۔ اور اس کے جان دینے کی پرواہ نہیں کی۔

اصول کی پابندی کیلئے داس کی موت اور حکومت کا اپنی ضد پر اڑے رہنا۔ برابر سمجھے جائیں گے۔ میں اسکی موت پر کچھ بھی لکھنے کی ضرورت نہ سمجھتا۔ اگر میرے خیال میں حکومت اور ملک کو اس غلط نظریہ سے نقصان پہنچنے کا احتمال نہ ہوتا میں نوجوانوں میں اپنے ملک اور قوم کی خدمت کیلئے جذبہ ایثار پیدا کرنے کے حق میں ہوں اور چاہتا ہوں ہر فرزند ملک مادر وطن کیلئے بڑی سے بڑی قربانی کرنا سہل سمجھے لیکن نوجوانوں میں خودکشی کے جذبہ کو ترقی دینا بہت بڑی غلطی اور مادر وطن کے ساتھ دشمنی ہے۔ دوسری طرف حکومت کی یہ بہت بڑی غلطی ہے۔ کہ وہ سیاسی قیدیوں اور اخلاقی قیدیوں میں امتیاز نہ کرے۔ اور ان کے ساتھ وہی سلوک روا رکھنے کی ضد کرے۔ جو اخلاق کش جرائم کا ارتکاب کرنے والے ڈاکوؤں اور ٹھگوں سے کرتی ہے۔ گورنمنٹ اگر ان قیدیوں کے حقوق اور مطالبات پر ٹھنڈے دل سے غور کرتی۔ تو ایک نوجوان کی زندگی اس طرح پر ختم نہ ہوتی۔ اور دوسرے قیدی جو متفقہ طور پر بھوک ہڑتال کر کے بستر مرگ پر پڑے ہوئے ہیں۔ اور جنہیں داس کی لاش دور سے پکار رہی ہے کہ

چلے آؤ ادھر یہی نجات کا راستہ ہے

وہ بھی اگر گورنمنٹ نے اپنی ضد کو نہ چھوڑا اسی راستہ پر گذر جائیں گے۔ اور حکومت کو اس سے ایک کاری ضرب پہنچیگی ان ملزموں کو جو اس طرح پر جان دیں گے۔ اہل ملک اپنے ہیروز کی فہرست میں سب سے اوپر جگہ دیں گے۔ اور اگر ان میں کوئی مجرم بھی ہوگا۔ تو اہل ملک کا حق ہے کہ انہیں بیگناہ کہیں اور انہیں بیگناہ ہی ماننا پڑے گا۔ اسلئے کہ ان کے خلاف کوئی جرم ثابت نہیں ہو سکتا۔ داس مر گیا لیکن اگر اس کی موت سے حکومت آئندہ اس قسم کی موتوں کا دروازہ بند کر دے۔ تو اسکی شکست نہیں۔ اخلاقی فتح ہے۔ سیاسی جماعت کے لیڈروں کو بھی مناسب ہے کہ وہ نوجوانوں میں خودکشی کی اس تحریک کو روک سکیں۔ گو میں ان کے اس عمل کو دلیرانہ سمجھتا ہوں۔ کہ حکومت کو متوجہ کرنے کا یہی طریق ہے داس اگر زندہ رہتا اور اسے اگر کسی قانون کی رو سے سزا بھی بھگتنی پڑتی۔ تب بھی میں کہتا ہوں کہ اس استقلال اور حوصلہ کے انسان سستے نہیں ہوتے۔ مادر ہند کا یہ فرزند ہندوستان کیلئے ضرور مفید ہوتا۔ مگر اب اسنے خواہ اپنے اصول ہی کی خاطر جان دی ہو مگر اسکی موت نے اس راستہ کو بند کر دیا۔ جو ملک کی ترقی کیلئے وہ اپنے عمل اور دماغ سے کھول سکتا تھا۔ پس میں حکومت اور سیاسی کام کرنے والوں کو توجہ دلاتا ہوں۔ کہ وہ موت کیلئے دعوت عمل کے طریق سے بچیں۔

حکومت سیاسی قیدیوں کے حقوق کی حفاظت کرے۔ اور نوجوانوں کو اپنے مقابلہ کے لئے اس طرح پر کھڑا کرنے کی غلطی سے بچے۔ اور نوجوان اس قسم کی خودکشی سے اپنے ملک کو ان جذبات سے محروم نہ کریں۔ جو وہ زندہ رہکر کر سکتے ہیں (عرفانی)

فلسطین میں ہنگامہ یہود

مسلمانان عالم اس وقت ایک امتحان سے گذر رہے ہیں انکی مصیبتیں گوناں گوں اور ان کے ابتلا پیچ در پیچ ہیں فلسطین میں یہودیوں نے جو فتنہ پیدا کیا ہے۔ اسنے مسلمانان عالم کے دلوں کو مجروح کر دیا ہے

یہ امر نہایت تعجب سے دیکھا جاتا ہے کہ جہاں برطانیہ کا دور حکومت ہے وہاں قومی منازعات کا سلسلہ کسی نہ کسی رنگ میں جاری رہتا ہے۔ اسی ہندوستان میں آئے دن ہندو مسلمانوں کے منازعات کسی نہ کسی جگہ سر نکالتے رہتے ہیں۔ میں اس تفرقہ کا

Digitized by Khilafat Library Rabwah

قابلی نہیں۔ کہ انگریز خود اس قسم کے فسادات پیدا کرتے ہیں۔ لیکن جب ہر جگہ اس قسم کے شاخسانے کھڑے ہوں۔ تو میرے جیسے آدمی کو بھی شبہ ہونے لگتا ہے۔ جنوبی افریقہ میں سفید نسل اور ہندوستانیوں کے درمیان ایک عرصہ سے جنگ جاری رہتی ہے۔ مشرقی افریقہ میں یہی سوال بڑے زور سے پیدا ہو چکا ہے۔ فلسطین میں انگریزوں کی حکم برداری نے یہودیوں اور عربوں کے درمیان فساد کا نظارہ پیش کر دیا ہے۔ اور یہ باہمی آویزش ایسی خطرناک صورت اختیار کر رہی ہے۔ کہ اگر اس کی طرف فوری توجہ نہ ہوئی۔ تو عالم اسلامی میں ایک آگ لگ جائے گی۔ عربوں اور یہودیوں کے اس مجادلہ اور مقاتلہ کا باعث مصری قوم پرستوں اور دوسرے مسلمان مدبروں کی نظر میں بالفور کا اعلان یہودیت نوازی ہے۔ یہودی اسے عربوں کے مذہبی جوش کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے۔ کہ عربوں میں مذہبی جوش ہوتا اور وہ مذہب کے لئے عملی قوت رکھتے۔ تو وہ آج غیروں کے محکوم ہی کیوں ہوتے۔ یہودیوں کے اس شور و شر سے حقیقت مشکوک نہیں ہو سکتی۔ یہ نتیجہ اعلان بالفور ہی کا ہے۔ اور برطانیہ کی یہود نواز پولیسی اس کے لئے ذمہ دار ہے۔ مکبر دار حکومت یہودیوں کو تمام دنیا سے لا کر وہاں آباد کرنا چاہتی ہے۔ اور وہ قوم باوجود اپنی بے شمار دولت کے دنیا بھر میں ذلیل سمجھی گئی ہے۔ اس ذلت کو عربوں کو تباہ کر کے عزت سے تبدیل کرنے کے منصوبوں میں لگی ہوئی ہے۔ مسلمانان ہندوستان کا فرض ہے کہ وہ اس موقعہ پر اپنے فلسطینی بھائیوں کی جائز امداد کے لئے اپنے ہاتھ کو لمبا کریں۔ میرے خیال میں اس وقت ضرورت ہے۔ کہ فلسطین کے مسلمانوں کی امداد کے لئے ایک باقاعدہ کمیٹی بنائی جائے۔ جس میں ہر فرقہ اور ہر طبقہ کے مسلمان شریک ہوں۔ اور وہ اپنی متحدہ قوت عمل سے مظلوم عربوں کے لئے جو کچھ کر سکتے ہوں کرنے میں فرق نہ کریں۔ فتنہ و فساد مومن کی شان نہیں۔ اور غلام ملک کے باشندے کو بھی کیا سکتے ہیں۔ صرف ایک ہی صورت باقی ہے۔ کہ وہ اپنے اموال سے کچھ حصہ ان بھائیوں کی مدد کے لئے الگ کریں۔ اور حکومت کو اپنے جذبات اور حسیات سے آگاہ کریں۔ ہم ان دھمکیوں اور تنبیہوں کا عادی نہیں جو مسلمان دبنے کے عادی ہیں۔

ایاز قدر خود بشناس

ہم جانتے ہیں۔ کہ ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ پھر اس لاف زنی سے کیا حاصل۔ ہاں معقولی طور پر حکومت پر واضح کر دو۔ کہ ہم اپنے مقامات مقدسہ کی حفاظت کے مواعید کا جائز طور پر مطالبہ کرتے ہیں۔ اور عربوں پر جو مظالم کئے جا رہے ہیں۔ انہیں برداشت نہیں کر سکتے۔ حکومت اگر یہود نوازی کو اپنا دستور العمل بنانا چاہتی ہے۔ تو انہیں فلسطین سے نکال کر کسی اور ملک میں لے جاوے۔ بہرحال یہ وقت دعوت امتحان ہے۔ اسلئے آؤ دعاؤں اور گریہ اسحار سے ان مصائب سے نجات کی کوشش کریں۔

اندریں وقت مصیبت چارہ ما بیکساں
جز دعائے بامداد و گریہ اسحار نیست

(عرفانی)

سانڈ کا بوہان
اور
بوچڑ خانہ قادیان

بعض ہندو اخبارات لکھ رہے ہیں۔ کہ سال ٹون کمیٹی قادیان لاوارث مردوں کے کفن دفن میں تو حصہ نہیں لیتی۔ لیکن بوچڑ خانے پر صرف کرنے کے لئے فوراً طیار ہو گئی ہے۔ اصل واقعہ یوں ہے۔ کہ ایک ہندو سنار فوت ہو گیا تھا۔ اس کے مال و جائداد پر ہندوؤں نے قبضہ کر لیا۔ لیکن کفنانے جلانے کا بوجھ کمیٹی پر ڈالنا چاہا۔ کمیٹی نے کہا۔ کہ انہیں کوئی عذر نہیں۔ بشرطیکہ متوفی واقعی لاوارث اور مفلس محض ہو۔ لیکن اگر اس کے مال وغیرہ پر ہندو قبضہ کر لیں۔ تو پھر کفن دفن اس کا کمیٹی کے ذمہ ایک ناواجب بوجھ ہے۔ یہ تو ہے اصل واقعہ۔ مگر قادیان کے ہندو مضمون نگار اس واقعہ کو بھول ہی جاتے ہیں۔ کہ جو ایک سانڈ قادیان میں مر گیا تھا۔ تو کمیٹی کے بعض ہندو سکھ ممبروں اور ہندو کارندوں نے زور ڈال کر باقاعدہ بوہان اس کا نکلوایا۔ اور کمیٹی کا عملہ ساتھ گیا۔ اور خاصی رقم لگا کر اس کو اس طرح دفن کیا گیا۔ جس طرح ایک مالدار مگر بوڑھے ہندو کا بوہان نکلوایا جاتا۔ باقی رہا۔ بوچڑ خانہ تو یہ کسی قسم کا خرچ نہیں۔ بلکہ محض آمد ہی آمد ہے اس کے ذریعے غریب مسلمانوں کو اچھا اور سستا گوشت ملجائیگا۔ ہندوؤں کے لئے بکری کا گوشت سبزی اور دال سستی ہو جائے گی۔ اور اس طرح کمیٹی کی آمد بڑھ جائے گی۔ جو ہندو محلوں پر زیادہ سے زیادہ خرچ ہو سکے گی۔ ہندوؤں کا تو اس میں فائدہ ہی فائدہ ہے۔ بوچڑ خانہ پر زیادہ سے زیادہ چار پانچ صد روپیہ خرچ آئے گا۔ اور اگر دو گائے بھی روزانہ ذبح ہوں۔ جو قادیان کی کم از کم اوسط ہے۔ تو اس لحاظ سے بھی سات سو روپیہ کی آمد صرف ایک سال کے لئے ہو سکتی ہے۔ ہاں ایک صورت ہے۔ اگر ہندو برادران یہی چاہتے ہیں۔ کہ گائے ذبح نہ ہو تو پھر جس بھاؤ سے گائے کا گوشت مل سکتا ہے۔ اسی ریٹ سے اگر دنبے کا یا بکرے کا گوشت دلوانے کا وہ ذمہ لیں تو پھر مسلمان بھی اس سوال پر بھی غور کر سکتے ہیں۔ بہرحال سانڈ کے بوہان کا واقعہ ہندوؤں کی توجہ کے لئے لکھا جاتا ہے۔ کہ کمیٹی کو ہندوؤں کے مفاد و جذبات کا کس قدر خیال ہے۔ ہندو نامہ نگار اور ہندو اخبارات کے معترض ایڈیٹروں اور نکتہ پردازوں کو یہ معلوم ہونا چاہئے۔ کہ سمال ٹون کمیٹی کو بڑی آمدنی احمدیہ بیگانہ سے ہوتی ہے۔ اور یہ روپیہ ہندوؤں اور سکھوں کے لئے خرچ کیا جاتا ہے۔ احمدیہ آبادی میں ابھی کوئی روپیہ خرچ نہیں کیا گیا۔ جن کا زیادہ حق تھا کیونکہ احمدیوں سے ہی زیادہ ٹیکس کمیٹی کو وصول ہوتا ہے۔ ہندوؤں سے بہت کم ملتا ہے +

Digitized by Khilafat Library Rabwah

(بقیہ صفحہ ۶)

اب ذبیحہ گائے کسی طرح بند نہیں کیا جا سکتا

لیکن اگر مجھے اس پر مجبور کیا جائے۔ کہ گائے کے ذبیحہ کو کلی طور پر بند کر دیا جائے۔ تو میں اسے نہ صرف خلاف عقل مطالبہ سمجھتا ہوں۔ بلکہ گذشتہ طاقت کے مظاہرہ کے بعد ذبیحہ گائے کے ترک کو مسلمانوں کے اخلاق کو بھی اور ان کے مذہب کو بھی برباد کرنے والا سمجھتا ہوں۔ اور اس کے قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ بلکہ اس مطالبہ کی صورت میں میں یہ اپنا فرض سمجھوں گا۔ کہ مسلمانوں کو اس ظلم سے بچاؤں۔ اور جس قدر تدابیر گائے کے گوشت کے زیادہ سے زیادہ استعمال کے لئے ممکن ہو سکتی ہوں۔ انہیں اختیار کروں۔

گائے کے گوشت کی کھپت

میرے نزدیک ہمارے برادران وطن کو یہ امر یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ صرف نئے ذبحوں کے اجراء ہی سے گائے کے گوشت کا استعمال زیادہ نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کے اور بھی طریق ہیں۔ مثلاً یہ کہ جس جس جگہ پر پہلے سے مذبح موجود ہے۔ اگر وہاں کے مسلمان جو پہلے شاذ و نادر گائے کا گوشت استعمال کرتے تھے۔ آئندہ عہد کر لیں۔ کہ وہ گائے کا گوشت ہی استعمال کیا کرینگے یا اکثر استعمال کیا کریں گے۔ تو وہ سمجھ لیں۔ کہ چند ماہ میں بیسیوں مذبحوں سے زیادہ گائے کے گوشت کی کھپت شروع ہو جائے گی۔ اسی طرح مثلاً اگر ان قصبات کے لوگ جہاں پہلے گائے کا گوشت نہیں ہوتا تھا۔ قریب کے مذبحوں سے گائے کا گوشت منگوا کر استعمال کرنا شروع کر دیں۔ تو اس کا علاج ان کے پاس کیا ہے۔ یا مثلاً اگر دیہات کے لوگ جن پر موجودہ قانون حاوی نہیں ہے۔ گائے زیادہ ذبح کرنے لگیں۔ تو اس کا علاج ان کے پاس کیا ہے؟ غرض ایسے بہت سے ذرائع ہیں۔ کہ جن کو اختیار کر کے پنجاب میں چند ہی ماہ میں گائے کے گوشت کی کھپت دگنی سے بھی زیادہ کی جا سکتی ہے۔ اور ان ذرائع کے اختیار کرنے سے ہندوؤں اور سکھوں کے احساسات کو بھی پہلے سے زیادہ صدمہ پہنچے گا۔ اور اگر گورنمنٹ دخل دے گی۔ تو یقیناً یہ تحریک اور بھی زیادہ طاقت پکڑ جائے گی۔ اور ہر مسلمان گاؤں کا براہِ راست گورنمنٹ سے مقابلہ شروع ہو جائے گا۔ لیکن گورنمنٹ سے بہت زیادہ تکلیف خود ہندو صاحبان کے احساسات کو پہنچے گی۔

پھر نہ کہا جائے

میں امید کرتا ہوں۔ کہ ان حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ میرے خط کا جلد جواب دیکر مجھے ممنون فرمائیں گے۔ لیکن اگر آپ نے اس طرف جلد توجہ نہ کی۔ اور بعد میں کوئی ناگوار صورت حالات پیدا ہوئی تو میں سمجھتا ہوں۔ کہ اپنی قوم کا درد اور ملک کی محبت رکھنے کی وجہ سے آپ کو بھی ضرور تکلیف محسوس ہوگی۔ مگر چونکہ وقت پر آپ نے خبر نہ لی ہوگی۔ آپ کو مجھے ہی نہیں بلکہ اپنی قوم کو بھی کچھ کہنے کا حق نہ ہوگا۔ اور نہ آپ کو یہ حق ہوگا۔ کہ آپ مجھ پر خصوصاً اور باقی مسلمانوں پر عموماً یہ اعتراض کریں۔ کہ ہمیں حالات کو بہتر بنانے کا موقعہ نہیں دیا گیا۔ یا یہ کہ ایسے ذرائع کو اختیار کرنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ جو ملک میں صلح اور آشتی پھیلانے کا موجب ہوتے۔

سکھ لیڈروں سے

پیشتر اس کے کہ میں اس خط کو ختم کروں۔ میں سکھ لیڈروں کو خصوصیت کے ساتھ اس امر کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ کہ میں نے ان کے جائز حقوق کا ہمیشہ احترام کیا ہے۔ چنانچہ پچھلے دنوں جب ایک احمدی نومسلم کی کتاب کے خلاف انہوں نے احتجاج کیا۔ کہ اس سے ان کی دل آزاری ہوتی ہے۔ تو گورنمنٹ نے بھی ان کی آواز پر توجہ نہ کی تھی۔ کہ میں نے خود اس کتاب کو ضبط کر لیا۔ اور انہیں اس امر کا اقرار ہوگا۔ کہ میرا ضبطی کا حکم گورنمنٹ کے حکم سے زیادہ موثر تھا۔ کیونکہ نہ صرف اس کتاب کی خریداری رک گئی بلکہ فروخت شدہ کتاب یا اس کے قابل اعتراض حصے ہر جگہ جلا دیئے گئے۔ پس میں مخلصانہ طور پر انہیں مشورہ دینے کا حق رکھتا ہوں کہ گاؤکشی کے سوال کے متعلق فیصلہ کرنے سے پہلے وہ دو باتوں پر غور کر لیں۔ اوّل۔ اس کا مذہبی پہلو ہے سکھ صاحب یہ امر بھلا نہیں سکتے۔ کہ حضرت باوا نانک علیہ الرحمتہ نے توحید کے قیام کے لئے ... اپنی جانوں اور اپنے آرام کو قربان کر دیا تھا۔ اس چیز کو محض ایک عارضی معاہدہ کے قیام کے لئے تباہ ہونے دینا ہرگز اپنے آباء کی خدماتِ توحید کا اچھا اعتراف نہ ہوگا۔

دوسرے انہیں یہ بات نہ بھلانی چاہیئے۔ کہ جب تک گاؤکشی کے متعلق عام سکھوں کے جوش کی موجودہ حالت قائم رہیگی۔ اس وقت تک سکھ پبلک کے دو لیڈر رہیں گے۔ ایک ہندو ساہوکار اور دوسرے سکھوں کے قومی لیڈر۔ چنانچہ مذبح قادیان کا واقعہ اس امر کا بیّن ثبوت ہے۔ باوجود اس کے کہ سردار کھڑک سنگھ صاحب جیسے قومی [illegible] خود قادیان میں کہہ آئے تھے۔ کہ گاؤکشی پر سکھوں کو اور جھٹکہ پر مسلمانوں کو اعتراض نہیں ہونا چاہیئے مسلمانوں نے تو ان کی نصیحت پر عمل کر کے جھٹکہ پر اعتراض نہ کیا۔ مگر سکھوں کو ہندو جوش دلانے میں کامیاب ہو گئے۔ پھر انہدام مذبح کے بعد بھی اکالی اور خالصہ سکھوں کے دونوں حصوں کے مؤقر اخبارات کے سمجھانے کے باوجود قادیان اور اس کے گرد و نواح کے سکھوں پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ پس گاؤکشی کے متعلق سکھوں کے رائج الوقت خیالات ان کے قومی شیرازہ کے باندھنے میں بھی روک ہیں۔

پس امید ہے۔ کہ اپنے مذہب کی جان یعنی توحید کی حفاظت اور اپنے قومی شیرازہ کی مضبوطی کو مدنظر رکھتے ہوئے سکھ لیڈر اپنی قوم کو اس مشرکانہ خیال کی تائید میں کھڑا ہونے سے باز رکھیں گے۔ بلکہ توحید کے قیام کیلئے ہمارے دوش بدوش کھڑے ہوں گے۔

امن شکن حالات سے ملک کو بچایا جائے

میں امید کرتا ہوں۔ کہ اوپر کے حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے اور اس امر کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ مسلمان اپنے ہمسائیوں کے احساسات کا جائز احترام کرنے کو تیار ہیں۔ اس امر کو ترجیح دی جائیگی۔ کہ جن جن مسلمانوں کو جائز طور پر مذبح کی ضرورت ہے ایسی شرائط کے ساتھ ان کو اجازت دیدی جائے۔ کہ ان کے ہمسائیوں کو ناواجب تکلیف نہ ہو۔ اور ایسے حالات سے ملک کو بچایا جائے۔ جو اس کے امن کو برباد کرنے والے اور اسکی آزادی کو